لاہور

ندائے خلافت

40

www.tanzeem.org

ہفت روزہ

12 تا 18 ذی القعدہ 1432ھ/ 11 تا 17 اکتوبر 2011ء

اس شمارے میں

عدالتی دہشت گردی

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا اہم اصول

حقانی نیٹ ورک کا شوشہ اور امریکی دباؤ؟

صلح حدیبیہ کے اثرات ونتائج

زبان کی پھسلن

کرسی، کرسی، کرسی

امریکی سازشوں سے برباد ہونے والے ممالک

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

بنیادی سوالات

انسان کون ہے؟ یہ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے آیا ہے؟ اس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ آخرکار یہ کہاں چلا جائے گا؟ اس کو عدم سے وجود میں لانے والا کون ہے؟ اسے یہاں سے کون اور کہاں لے جائے گا؟ وہاں پر اس کا انجامِ کار کیا ہوگا؟ یہ وجود جسے وہ اپنے اردگرد دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کیا چیز ہے؟ اس ظاہر کے پردے میں کارفرما غیبی قوت کون سی ہے، جو انسان کو دیکھ رہی ہے مگر یہ اُسے نہیں دیکھتا؟ اس پُراسرار وجود کا خالق کون ہے؟ کائنات کی تدبیر اور الٹ پھیر کس کے ہاتھ میں ہے؟ کائنات کی تبدیلیاں انسان کو نظر آتی ہیں لیکن یہ تصرفات کرنے والا ہاتھ کس کا ہے؟ مجھے اس کائنات کے خالق کے ساتھ کیا اور کیسا معاملہ کرنا چاہیے؟ اس کائنات میں میرے تصرف کی حیثیت کیا ہونی چاہیے؟ خالق کے ساتھ ساتھ میرا سلوک مخلوق کے ساتھ اور دوسرے بندوں کے ساتھ کیا ہونا چاہیے؟ انسان کے لیے ہمیشہ یہی سوالات بنیادی حیثیت کے رہے ہیں، اور جب تک انسان کا وجود اس کائنات میں ہے ان کی یہی حیثیت رہے گی۔ یہ انسان کا بنیادی موضوع ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فروع کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن نے کامل 13 سال تک جو کچھ بیان کیا وہ اسی بنیادی موضوع کے گرد گھومتا ہے۔ جب تک اس نے اس موضوع کو کماحقہٗ بیان نہ کر دیا، کسی اور موضوع کو نہیں چھیڑا۔ یہ بنیادی عقیدہ جب تک بنی نوع انسان کے خلاصے — حضور ﷺ کی مختصر سی جماعت — کے دل ودماغ میں جاگزیں نہ ہوگیا، قرآن نے انہیں کسی اور طرف متوجہ نہ کیا۔ اللہ کی تقدیر یہی تھی کہ بنی نوع انسان کا یہ خلاصہ اُس کے دین کو دنیا میں برپا کرے، ایک ایسا نظام قائم کرے جس میں دین اپنی اصلی صورت میں نظر آئے۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہیدؒ

سورۃ یونس

(آیات:70تا73)

ڈاکٹراسراراحمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ
لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ
أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝

’’(ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں ہیں پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔ اور اُن کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا، میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنایا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا۔ تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیسا انجام ہوا۔‘‘

اب اس سورۂ مبارکہ میں دو رکوع انبیاء ورسل کے حوالے سے آرہے ہیں، ان میں اول نوح علیہ السلام ہیں اور آخر میں موسیٰ علیہ السلام۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آدھے رکوع میں ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے ڈیڑھ رکوع میں آیا ہے۔ اگلی سورۃ ھود میں اس کے برعکس حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر پر دو رکوع ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ صرف ایسے ہی حوالہ کے طور پر ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے۔ فرمایا ان کو ذرا نوح علیہ السلام کی خبر سنایئے، جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میرا دعوت حق کے ساتھ کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا تمہیں شاق گزر رہا ہے، تو مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں، میں نے تو اللہ پر توکل کیا ہوا ہے۔ تم سارے ذرائع جمع کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی بلا لو اس حد تک کہ تمہارے کام میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے، یعنی کوئی کسر نہ چھوڑو۔ پھر تم نے میرے بارے میں جو فیصلہ کرنا ہے کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ چیلنج کے انداز میں یہ گفتگو ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت نوحؑ کا دل کس قدر دکھ چکا تھا۔ 950 سال بیت گئے کہ اللہ کا ایک بندہ قوم کی خیر خواہی میں لگا ہوا ہے، اہل قوم کو دعوت دے رہا ہے، مگر لوگ ہیں کہ مسلسل استہزا اور مذاق کر رہے ہیں، اور بات ہی سن نہیں رہے ہیں۔ لہٰذا اُن کو آخری بات کہہ دی کہ اپنی ساری قوتیں جمع کر لو اور میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کرو یعنی کھلے مقابلے میں نہ آؤ تو پھر ذرا غور کرو کہ میں نے جو بھی تمہاری بھلائی کے لیے جدوجہد کی ہے تمہیں دین کی طرف بلایا ہے اس پر میں نے تم سے کوئی اجرت تو طلب نہیں کی، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے رہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف اقدام کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اس طرح اُن پر کوئی مصیبت نہ آ جائے۔ لہٰذا انہوں نے نوح علیہ السلام کے اس چیلنج کے جواب میں کوئی اقدام نہ کیا بلکہ مسلسل آپؑ کی تکذیب کرتے رہے۔ نتیجتاً عذاب الٰہی کا شکار ہوئے اور تکذیب آیات الٰہی کی پاداش میں غرق کر دیئے گئے۔ اور اللہ نے نوح علیہ السلام کو نجات دے دی، اور اُن کو بھی جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ اور انہی کو اُس نے زمین میں خلافت عطا کی اور جانشین بنایا۔ اللہ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو، جن لوگوں کو خبردار کر دیا گیا تھا (مگر انہوں نے اثر قبول نہ کیا) اُن کا انجام کیسا ہوا۔

ادار یہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عدالتی دہشت گردی

انسداد دہشت گردی کی عدالت کے جج پرویز شاہ نے سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو قتل کرنے والے ایلیٹ فورس کے جوان ممتاز حسین قادری کو دو مرتبہ سزائے موت علاوہ ازیں قید و جرمانہ کی سزا سنائی ہے۔ سزا سنانے سے پہلے جج نے ممتاز قادری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کی رو سے تمہارا یہ اقدام جائز اور درست تھا لیکن ملکی قانون کے تحت میں تمہیں دہری موت کی سزا دیتا ہوں۔ یعنی عدالت نے آئین کے چہرے پر پڑے منافقت کے پردے کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ پاکستان میں قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جائے گی۔ سیدھی سی بات ہے کہ اسلام اور ملکی قانون کی راہیں جدا جدا بلکہ مخالف سمت میں تھیں، لہٰذا یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ تم نے جو کیا اسلام کی رو سے درست اور جائز کیا، ملزم کو جو اپنے اِس قدم سے مسلمانانِ پاکستان کی اکثریت کی آنکھ کا تارا بنا ہوا ہے، اُسے صرف موت نہیں دہری موت کی سزا سنا دی گئی۔ ہم اِس لحاظ سے جج کی تحسین کرتے ہیں کہ اُس نے مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان جس کا مطلب لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ بتایا گیا تھا، کی دستوری منافقت کا سرکاری ملازم ہوتے ہوئے بھی پردہ چاک کیا ہے اور واضح کر دیا کہ ہم نے اپنے وطن کے نام کے ساتھ اسلامی کا جو لاحقہ لگایا ہوا ہے، یہ محض اللہ، بندوں اور خود کو فریب دینے کے لیے ہے۔ ہماری قومی اور اجتماعی زندگی کا اِس کے ساتھ کوئی حقیقی اور عملی تعلق نہیں ہے۔

ایک بات بڑی سادگی سے کہہ دی جاتی ہے اور صرف ہمارا نام نہاد سیکولر طبقہ ہی نہیں، بہت سے سادہ لوح پاکستانی مسلمان بھی کہہ دیتے ہیں کہ کسی شخص کو قانون ہاتھ میں لینے کا حق نہیں ہے۔ اصولی طور پر بات بالکل درست ہے۔ لیکن یہ بات اتنی سادہ بھی نہیں ہے جتنی سادگی سے کہہ دی جاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ بات تو وہاں وزن دار ہوگی جہاں قانون کی حکومت ہو، جہاں قانون کی عملداری ہو، جہاں قانون اندھا ہو، جو حاکم اور عوام، امیر اور غریب، انسان اور انسان میں فرق اور تمیز نہ کرتا ہو۔ لیکن جہاں قانون اور ضابطے صرف عوام کے لیے ہوں، جہاں مختلف طبقات کے درمیان خلیج ہی نہیں سمندر حائل ہوں، جہاں عوام کی عدل اور انصاف تک پہنچ صحرا میں نہر جاری کر دینے سے زیادہ مشکل ہو، جہاں عوام اور عدل کے درمیان ہمالائی چٹانیں حائل ہوں، جہاں کچہریاں اور تھانے شیر کی کچھار بن چکے ہوں، جہاں وقت گزرنے کے ساتھ عوام کے ذہن سے یہ بات ہی محو ہو چکی ہو کہ حاکم کے در پر دستک دینے سے بھی کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے، جہاں آئین میں لکھ دیا گیا ہو کہ صدر اور گورنر سپر مین ہوں گے اور قانون سے بالاتر ہوں گے اور انہیں سات نہیں لاکھوں خون معاف ہوں گے، وہاں اس بات کا کیا وزن ہوگا۔ کون نہیں جانتا کہ بہت سے لوگوں اور تنظیموں نے گورنر سلمان تاثیر کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کرانے کی کوشش کی تھی، لیکن سب کو ایک سا جواب ملا کہ گورنر کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں ہو سکتی۔ اندازہ لگایئے اُس مسلمان کی اندرونی کیفیت اور روحانی اضطراب کا، جو دل کی گہرائیوں سے اور خلوص سے کہتا ہے ''میرے ماں باپ اور میری جان و مال حضور ﷺ پر قربان'' جو کہتا ہے، ''عشق رسولؐ میرا سرمایۂ حیات ہے۔'' جب وہ اپنے کانوں سے کسی کو اِس مقدس ہستی کی توہین کرتے سنے اور اُس کی منحوس صورت اِس عاشق رسولؐ کے سامنے ہو اور عدل کے دروازوں پر ٹنوں وزنی تالے پڑے ہوں، قہقہے لگاتا یہ منحوس انسان اُس کے دل پر بجلیاں گرا رہا ہو تو کوئی تو بتائے کہ عشق رسولؐ میں ڈوبا ہوا انسان کرے تو کیا کرے۔

یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ منافقت کا وہ پلندہ جسے آئین پاکستان کا نام دیا گیا ہے، حکمرانوں کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ سلمان تاثیر نے آسیہ شاتم رسول کو تھپکی دیتے ہوئے جو کچھ کہا (جس کی تفصیل نہیں دی

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

12 تا 18 ذی القعدہ 1432ھ — جلد 20
11 تا 17 اکتوبر 2011ء — شمارہ 40

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع:** رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

جاسکتی) وہ اِس آئین اور قانون کی کھلی خلاف ورزی تھی یا نہیں؟ کیا قانون حرکت میں آیا؟ کیا صدر نے اُسے برطرف کیا اور اُس کے ناپاک ہاتھوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑا گیا۔ کہاں تھے وہ لوگ جو آئین کی شق 6 کی خلاف ورزی پر موت کی سزا نہ دینے پر آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں اور جمہوریت کا جنازہ لے کر سڑکوں پر جلاؤ گھیراؤ کی تحریک شروع کر دیتے ہیں؟ کہاں تھے اس وقت وہ لوگ جو مذہبی آزادی اور مذہبی جذبات کی پاسداری اور مذہبی منافرت پھیلانے کے خلاف منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی میں اور انگریزی نما اردو میں تقریریں کرتے ہیں؟ کیوں اُن لوگوں کی زبانیں گنگ ہوگئی تھیں جو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو دوسرے شخص کے مذہبی جذبات کچلنے کی اجازت نہیں ہے؟

ہم نے اب تک جو بات کی ہے یقیناً وہ جذبات کی بنیاد پر ہے، لیکن ایک سوال تو اِس بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ ممتاز قادری یا شمع رسالت کا کوئی پروانہ، اپنے اور اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت کے محبوب سے یہ سلوک دیکھے اور سنے تو کرے تو آخر کیا کرے؟ عدل کے دروازوں پر پڑے ہوئے آئرن کرٹن سے سر پھوڑ کر مر جائے یعنی خودکشی کر کے حرام موت کو گلے لگا لے، یا شاتم رسول کو جہنم واصل کر کے آخرت میں سرخرو ہو جائے۔ یہ سوال ہم اُن سادہ لوح مسلمانوں سے کر رہے ہیں، جو یکلخت یہ سن کر کہ کسی کو قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے لاجواب ہو جاتے ہیں۔ رہا معاملہ سیکولر حضرات کا تو اُن سے ہم کوئی سوال نہیں کرتے۔ اِس لیے کہ حسد انسان کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

اب آیئے شاتم رسول کو واصل جہنم کرنے کے قانونی پہلو کی طرف۔ اگرچہ اس حوالہ سے تمام مسالک کے مفتیان کرام کی طرف سے ایک متفقہ فتویٰ جلد منظرِ عام پر آ جائے گا لیکن ہم بھی چند باتیں اپنے لیے توشۂ آخرت بنانے کے لیے عرض کرنا چاہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ انبیاء و رسل بھی انسان ہی تھے، لیکن اُن کے معاملات کو دوسرے انسانوں کی سطح پر دیکھنا اور پرکھنا بہت بڑا مغالطہ ہے۔ انبیا اور رُسل دنیا میں اللہ کے نمائندے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ جو اِس کائنات کا خالق و مالک بھی ہے، اور وحدہ لاشریک بھی ہے۔ عام انسان ہی نہیں فرشتے اور خود اُس کے انبیاء و رسل اُس کی حکومت میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ اُس نے اِس کائنات کو اگرچہ کچھ اصولوں پر قائم کیا ہے۔ مثلاً مرد اور عورت کے قرب سے انسانی نسل کا سلسلہ چلتا ہے، پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے اور آگ جلا دیتی ہے لیکن صرف اُسے یہ حق ہے کہ جب اُس نے چاہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوگئے۔ پانی نے دیوار کی صورت اختیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے راستہ بنا دیا۔ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔ وہی مالک و خالق اپنے رسولوں کو خاص تحفظ دیتا ہے۔ جب کسی بستی نے رسول کا حتمی انکار کیا تو اُس بستی کو تہس نہس کر دیا گیا۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اصلاً قانون سازی کا حق صرف اللہ کو اور اُس کے رسولوں کو اُس کے نمائندوں کی حیثیت سے حاصل ہے اور وہی آخری اور حتمی ہوگا۔ حضور ﷺ جو تمام انبیاء اور رسل کے سردار تھے، اُن کی ذات مبارکہ کو خصوصی تحفظ دیا گیا۔ جب فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کے پاس اقتدار اور اختیار آ گیا تو تمام دشمنانِ اسلام کو عام معافی دے دی گئی۔ مشرکین مکہ کو ایک مدت کے اندر بے دخلی کا حکم ہوا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی ماضی میں توہین کرنے والوں کو معاف نہ کیا گیا اور اُن کے بارے میں حکم ہوا کہ اگر یہ خانہ کعبہ کے پردے میں بھی چھپ جائیں تو انہیں نکال کر قتل کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاتمانِ رسول سے خصوصی سلوک ہوا۔ آگے چلیے، حضور ﷺ کے فیصلے کے خلاف ایک مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر دستک دے دیتا ہے۔ یہ مسلمان زبان سے حضور ﷺ کی کسی قسم کی توہین نہیں کرتا، صرف آپ ﷺ کے فیصلے پر عدم اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دست و بازو تو ہیں لیکن قاضی نہیں ہیں۔ کوئی عدالت نہیں لگتی، کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس مسلمان کی گردن تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ بہت شور ہوتا ہے، لیکن قرآن اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اِس مسلمان کا خون رائیگاں قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان اپنی کنیز کو کسی عدالت میں لے جائے بغیر اور کسی سطح پر رپورٹ کیے بغیر گستاخیٔ رسول پر قتل کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ اُس کا خون بھی رائیگاں قرار دے دیتے ہیں، کوئی قصاص نہیں، کچھ نہیں۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی مسلمان کے روبرو آقائے نامدار حضور ﷺ کی توہین اور اہانت کی جائے تو اُسے کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا، یا وہ زبان نہ رہے یا وہ کان نہ رہیں۔ یعنی سننے والا مسلمان یا مر جائے یا مار دے اور توہین کرنے والے کی زبان گُدی سے کھینچ ڈالے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خالص اسلامی ریاست ہو، یعنی قرآن اور سنت کو بطور قانون مکمل بالادستی حاصل ہو اور شریعت محمدیؐ وقت کا قانون ہو اور ایسے ماحول میں کوئی شاتم رسولؐ اپنی زبان کھولے یا کچھ تحریر کرے تو کیا کیا جانا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بہتر اور قابل ترجیح تو یہ ہے کہ سننے والا اُسے فوری طور پر قانون کے حوالے کر دے اور ثابت کرے کہ اِس شخص نے یہ قابل نفرت جرم کیا ہے اور فرض کریں کہ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور فوری طور پر خود اُس کو واصل جہنم کر دے تب بھی اُسے قاضی کے سامنے صرف یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ اِس شخص نے حقیقتاً آپ ﷺ کی توہین کی تھی۔ اگر ثابت ہو جائے تو قصاص اور دیت نہیں، اُس کا خون رائیگاں جائے گا اور وہ باعزت بری ہو جائے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ممتاز قادری کو پھانسی دے کر عاشقانِ رسول کو ختم کیا جا سکتا ہے تو وہ کان کھول کر سن لے کہ ممتاز قادری کے خون کے ایک ایک قطرے سے ہزاروں ممتاز قادری پیدا ہوں گے۔ البتہ ہم پاکستان کی تمام اسلامی جماعتوں کی خدمت میں بھی عرض کیے دیتے ہیں کہ اگر سب نے مل جل کر پاکستان کو خالص اسلامی ریاست بنانے کے لیے کوئی بھرپور تحریک نہ چلائی اور اپنی توانائیاں جزوی امور اور سیاسی معاملات ہی کے لیے وقف کیے رکھیں تو اِس ملک میں اسلام کے خلاف فتنے پیدا ہوتے رہیں گے اور ہم یہ کہنے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے کہ ہماری مدافعتی قوت بھی روز بروز کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ آج ہم ممتاز قادری کو بچانے کی پوزیشن میں ہیں کل نہیں رہیں گے اور سلمان تاثیر جگہ جگہ پیدا ہو جائیں گے۔ اللہ نہ کرے ایسا وقت آئے۔ لہٰذا ہمیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے پاکستان میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ناگزیر ہے۔

☆☆☆

اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول

سورۃ المائدہ کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 30 ستمبر 2011ء کا خطاب جمعہ

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! آپ کے علم میں ہے کہ میں علالت کی وجہ سے پچھلے دو اجتماعات جمعہ میں یہاں حاضر نہ ہوسکا۔ علالت وہی ڈینگی بخار کی ہے، جو اس وقت لاہور میں وبا کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ ڈینگی بخار کے بارے میں یہ بات مجھے علم الیقین کی حد تک تو معلوم تھی کہ اِس سے مریض بے حد کمزور ہوجاتا ہے، اور اُسے صحت یاب ہونے میں کافی وقت لگتا ہے، لیکن یہ بات شنیدہ کے درجے میں تھی۔ اور شنیدہ کا معاملہ یہ ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ البتہ اب جبکہ ڈینگی بخار سے میں خود گزرا ہوں تو اِس کی شدت اور اِس کے اثرات کے حوالے سے گویا حق الیقین حاصل ہوا ہے۔ ڈاکٹروں کا تو یہی مشورہ تھا کہ مجھے ابھی مزید آرام کرنا چاہیے، لیکن اللہ کی رحمت کی اُمید لے کر آج یہاں چلا آیا ہوں۔ دُعا ہے کہ میرے منہ سے جو بات نکلے حق نکلے اور اپنا مافی الضمیر صحیح طور پر بیان کرسکوں۔ میری علالت کے دوران بہت سے رفقائے تنظیم اور دیگر دوستوں نے میری شفایابی کے لیے دُعائیں کیں۔ اس پر میں اُن سب کا ممنون ہوں۔

اگرچہ غم خوشی، صحت و بیماری حیات دنیا کا حصہ ہے۔ یہ زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، کیونکہ یہ دنیا جائے امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مختلف کیفیتوں سے آزماتا ہے۔ اگر آدمی کا دل لذت ایمان سے سرشار ہو تو اُس کے لیے ہر دو حالتوں میں خیر ہی خیر ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب شان والا ہے۔ جب اُس کو خیر و بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اُس کا شکر ادا کرتا ہے، اور اگر کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اُس پر صبر کرتا ہے۔ پس مومن کو ہر معاملے میں اجر سے نوازا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے اُس لقمہ پر بھی اجر عطا کیا جاتا ہے جو وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔'' (مسند احمد) لیکن جب ایسی صورتحال ہوجائے کہ کوئی بیماری وبا کی شکل اختیار کرلے اور پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے، تو دراصل اُس کے ذریعے لوگوں کو جھنجوڑا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنے جرائم پر غور کریں اور بحیثیت قوم اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔ ہم اِس وقت ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ایک جانب داخلی میدان میں ہمیں ڈینگی بخار کی ہلاکت خیزی اور طوفانی بارشوں کے نتیجے میں بستیوں کی بستیوں کی غرقابی کا سامنا ہے، اور دوسری جانب امریکی دھمکیوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ امریکہ جس ڈھٹائی پر اُتر آیا ہے اور جس انداز سے دھمکیاں دینے لگا ہے، اُس سے عیاں ہے کہ وہ آپے سے باہر ہوگیا ہے اور آخری حدوں کو بھی پھلانگ رہا ہے۔

قوم پر مختلف شکلوں میں پے در پے جو آفات آرہی ہیں، یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ہم نے تو ماضی میں بھی ہر موقع پر یہی کہا ہے کہ قوم کو اجتماعی توبہ کرنی چاہیے، اب یہ بات بہت سے دیگر حلقوں کی جانب سے بھی سنائی دینے لگی ہے، جو نہایت خوش آئند ہے۔ بظاہر دکھائی دیتا ہے کہ امریکی دھمکیوں اور جارحانہ عزائم سے ہمیں کسی قدر اپنی روش پر غور کرنے کی توفیق ہوئی ہے اور یہ احساس ہوا ہے کہ وہ امریکہ جس کی خاطر ہم نے اتنی قربانیاں دیں، جس کی خاطر اپنے شہریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑے توڑے، جس کی خاطر دین کی دھجیاں بکھیر دیں وہ ہمیں ذلیل و رسوا اور تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہ تو کہا جارہا ہے کہ ہم نے امریکہ کے لیے اتنی قربانیاں دیں اور وہ ساری قربانیاں بھول گیا۔ مگر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ قربانی دینے کا مطلب کیا ہے؟ امریکہ کے لیے قربانی دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اُس کی خوشنودی کے لیے اپنے ایمان کو قربان کیا، دین کی قربانی دی، اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اِن ''قربانیوں'' پر سچے دل سے توبہ کریں اور امریکہ کی طرف سے ہمیں بار بار جو جوتے پڑ رہے ہیں، اِس پر سٹینڈ لیں اور امریکی جنگ سے فی الفور باہر آجائیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ امریکہ کی نیت خراب ہے۔ اُس کا یہ دیرینہ اصول ہے کہ انہی لوگوں کو ٹھوکر مارتا ہے جو اُس کے آگے جھکے ہوتے ہیں۔ اُس کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف سخت کارروائی کرسکتا ہے۔ تاریخ ہمیں ایک مرتبہ پھر اُس مقام پر لے آئی ہے، جہاں ہم نائن الیون کے بعد کھڑے تھے۔ تب بھی ہمیں تورا بورا بنانے کی دھمکی دی گئی تھی، اور اِس وقت بھی امریکہ ہمیں حملے کی دھمکیاں

دے رہا ہے۔ افغانستان پر عالم کفر کی یلغار کے موقع پر ہمارے فوجی آمر پرویز مشرف نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگایا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ نہ اسلام پہلے ہے، نہ ایمان اور نہ اسلامی اخوت کا رشتہ۔ کوئی شے بھی مقدم نہیں، مقدم یہ وطن ہے، جو بت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ (یہ میری بات نہیں، مصور پاکستان علامہ اقبال بھی وطن کو بحیثیت سیاسی تصور کے بت قرار دیتے ہیں۔) اگر ملک کو بچانا ہے تو ہمیں امارت اسلامی افغانستان کے خلاف طاغوتی قوتوں کا ساتھ دینا پڑے گا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی پوری قوم نے اِس نعرے کو ہضم کیا، جو نہایت ہی افسوس ناک بات ہے۔ اب اِسی کے نتائج ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ بہر کیف افغان جنگ میں ہمارے مجرمانہ یوٹرن کے وقت تو قوم نہ جاگی، البتہ اب اُسے یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم تو واقعی بند گلی میں داخل ہو گئے ہیں۔ گویا ع مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے۔

قرآن حکیم اللہ کا آخری پیغام اور جامع ہدایت نامہ ہے۔ اِس میں ہر شعبۂ زندگی کے حوالے سے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ سے تعلقات کے ضمن میں بھی قرآن حکیم نے رہنمائی فراہم کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے حوالے سے یہ رہنمائی دراصل ایک اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ ہمارے ملک کا نام آئینی طور پر ''اسلامی'' جمہوریہ پاکستان ہے، مگر افسوس کہ ہم نے دیگر شعبوں کی طرح خارجہ پالیسی میں بھی قرآن حکیم کی رہنمائی کو رہنما اصولوں کی حیثیت نہ دی، بلکہ اِسے درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا۔ عجیب بات ہے کہ یہ سوال پوچھا جا رہا ہے کہ اگر امریکہ نے اسلامی ملک پر حملہ کر دیا تو کیا مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جائے گا۔ یہ سوال مجھ سے بھی پوچھا گیا تھا۔ میں نے کہا پہلے آپ یہ تو بتائیں کہ یہ ملک اسلامی بھی ہے یا نہیں۔ خدارا! اپنے کرتوتوں پر غور تو کرو، ہم اب تک کیا کرتے آئے ہیں۔ کیا ایک اسلامی ریاست کی یہی داخلی حکمت عملی اور خارجہ پالیسی ہوتی ہے، جو ہم نے اپنا رکھی ہے۔ اس ملک میں اللہ کے دین سے کھلی بغاوت ہو رہی ہے، حکمران دس سال سے امریکہ کی جنگ لڑ رہے ہیں، اُس کی صف میں کھڑے ہو کر اسلام پر گولہ باری کر رہے ہیں، اسلام کو منہدم کرنے کے لیے امریکہ کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور سوال یہ پوچھا جا رہا ہے کہ ''اسلامی'' ریاست پر امریکہ حملہ کر دے تو کیا جہاد فرض ہو جائے گا؟ فتویٰ دینا تو مفتی حضرات کی ذمہ داری ہے اور میری یہ حیثیت نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں اب یہ خیال کیوں آیا ہے۔ جب امارت اسلامی افغانستان پر حملہ ہوا تو اُس وقت کیوں نہ سوچا گیا کہ اسلامی ریاست کا دفاع جہاد ہوتا ہے۔ اُس وقت ہم نے عالم کفر کا ساتھ دیا — البتہ جہاں تک ایک شہری کی حیثیت سے دفاعِ وطن کا تعلق ہے، اُس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ فکر و نظر کا یہ کیسا عجیب تضاد ہے کہ ہم بات ''اسلامی'' ملک کی کرتے ہیں لیکن اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے اصول کیا ہونے چاہئیں، ہم نے اِس پر کبھی غور کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور نہ ہی یہ سوچا کہ یہ اصول کہاں سے ملیں گے۔ حالانکہ اگر یہ ملک فی الواقع اسلامی ریاست ہے تو یہ دیکھا جانا چاہیے تھا کہ خارجہ پالیسی کے وہ رہنما اصول کون سے ہیں جو قرآن حکیم نے دیئے ہیں اور جن کی وضاحت سنتِ رسولؐ میں ملتی ہے۔ اس حوالے سے میں نے خاص طور پر سورۃ المائدہ کا آٹھواں رکوع پڑھا ہے۔ اس کا تعلق اسی بات سے ہے۔ سورۃ المائدہ ہی میں وہ آیت ہے جس میں تکمیل دین کا اعلان ہوا:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ (آیت:3)

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔''

اس سورت میں اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول دیا گیا ہے اور وہ ہے کفار سے رشتۂ ولایت نہ رکھنا۔ اور اِس ضمن میں سب سے زیادہ زور اس بات پر ہے کہ مسلمانو، تمہارے اصل دشمن یہود اور نصاریٰ ہیں۔ باقی سارے کفار اس کے بعد آتے ہیں۔ اِن سے کبھی دوستی نہ رکھنا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘؔ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾﴾

''اے اہل ایمان، یہود و نصاریٰ کو کبھی اپنا دوست مت بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ولی کے لفظ میں بڑی وسعت ہے۔ ولی دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی اور ناصر و مددگار کو بھی۔ قرآنی ہدایت سے واضح ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ سے کبھی دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں، اُن کو کبھی اپنا حمایتی و مددگار نہ سمجھیں، اُن سے کبھی خیر و بھلائی کی توقع نہ رکھیں۔ ہاں اس کی ممانعت نہیں کہ اُن سے صرف واجبی سے تعلقات رہیں۔ ٹھیک ہے، ہر وقت ان کے ساتھ جنگ بھی تو نہیں ہوگی۔ لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ اُن کے خلاف سازشیں کرتے رہیں گے، لہٰذا انہیں چوکنا رہنا ہوگا۔ قرآن حکیم نے یہ بات دو مقامات پر واضح کر دی کہ یہود کا کام ہی اسلام کے خلاف سازشیں کرنا ہے۔ سورۃ التوبہ (آیت:32) میں فرمایا: ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔'' اور دوسرا مقام سورۃ الصف (آیت:8) ہے۔ فرمایا: ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''
اس بات پر خاص طور پر زور اس لیے دیا کہ عام طور پر مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ یہود و نصاریٰ اسلام سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی اپنے آپ کو دین توحید پر کہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کو ماننے والے ہیں، یہ بھی آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں، لہٰذا یہ ایمان لے آئیں گے۔ مگر قرآن نے فرمایا: ''(مومنو) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے ہیں۔'' (البقرہ:75) تکمیل شریعت کی اس سورت میں یہ اہم حقیقت مسلمانوں پر کھول دی گئی کہ یہود و نصاریٰ کو کبھی اپنا دوست مت بنانا، کبھی اپنا خیر خواہ، حمایتی نہ سمجھنا، کبھی اپنا رازدان نہ بنانا، کبھی ان پر تکیہ نہ کرنا، کبھی بھروسا نہ کرنا، کبھی ان سے محبت کی پینگیں نہ بڑھانا، اور ولایت اور دوستی کا کوئی تعلق، کوئی رشتہ ان کے ساتھ استوار نہ کرنا۔ یہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔ یہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہیں۔ بظاہر ان کے اندر بڑے اختلافات ہیں، اور ان کی آپس میں شدید دشمنی رہی ہے اور اس کا اظہار بھی

بہت ہوتا رہا، ان کی آپس کی جنگیں بھی ہوتی رہیں، لیکن جان لو، یہ اندر سے ایک ہیں۔ یہ مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں۔ والدگرامی رحمہ اللہ آیت زیر بیان (المائدہ:51) کے حوالے سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ایک پیشین گوئی بھی تھی جو پوری شان کے ساتھ اب پوری ہو رہی ہے۔ اس حوالے سے "اولیاء بعضھم من بعض" کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ اِس وقت باہمی اختلافات کا شکار ہیں، مگر ایک وقت آئے گا یہ باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس آیت کا کامل اطلاق آج کے دور پر ہوتا ہے۔ یقیناً یہ آیت اس دور میں بھی راہنمائی تھی، جب قرآن نازل ہو رہا تھا کہ یہ لوگ اُس وقت بھی مسلمانوں کے خلاف ایک ہو جاتے تھے۔ لیکن اب تو واقعتاً یکجان دو قالب کی صورت ہو گئی ہے۔ اس یکجائی میں عددی قوت تو نصاریٰ کی ہے۔ یہود تعداد میں کم ہیں۔ لیکن تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنی سازشی ذہنیت اور مکاری کے سبب وہ عیسائیوں کے سر پر سوار ہیں۔ انہوں نے پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں کے دوران سازشوں کے جال بن کر نصاریٰ کو مکمل طور پر اپنے تابع کر لیا ہے۔ اب نصاریٰ وہی کرتے ہیں جو یہود چاہتے ہیں۔ اُن کے پیچھے یہود ہیں۔ اُن کی جملہ سازشوں، منصوبہ اور اسلام دشمن کارروائیوں کے پیچھے یہود کا ہاتھ ہے۔ ماسٹر مائنڈ یہودی ہیں۔ عیسائی اُن کے کٹھ پتلی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم نے یہ بات بھی صاف طور پر بتا دی تھی کہ یہود دشمنان اسلام میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا: ”(اے پیغمبرؐ) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔“ (المائدۃ:82) یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کے ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرما دی کہ تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا، اللہ کے ہاں وہ انہی کے ساتھ شمار ہوگا۔ وہ صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہوگا۔ یہود و نصاریٰ اللہ کے غضب میں گھر گئے اور گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے آسمانی ہدایت سے انحراف اور بغاوت کر کے شیطان کی پیروی کی۔ اگر تم بھی اللہ کے حکم سے منہ موڑ کر اُن سے دوستی کرو گے، اُن کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جو اتنی واضح ہدایت کے باوجود اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کریں، وہ ظالم ہیں اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(جاری ہے)

پریس ریلیز — **حافظ عاکف سعید**

ممتاز حسین قادری کی سزائے موت کے فیصلے نے عدالتی، انتظامی اور مقنّنہ کی سطح پر قومی منافقت کو بے نقاب کر دیا ہے

انسداد دہشت گردی عدالت کے جج کا یہ کہنا کہ ممتاز قادری کا اقدام اسلام کی رو سے جائز ہے لیکن ملکی قانون کی خلاف ورزی ہے، اصلاً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ پاکستان کے نام کے ساتھ جو اسلام کا لاحقہ لگایا گیا ہے وہ جھوٹ، فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں ہے

ممتاز قادری پر مقدمہ شرعی عدالت میں چلایا جائے

کیا مملکت خداداد پاکستان میں ملکی قوانین کو شریعت اور اسلامی احکامات پر ترجیح حاصل ہے؟ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید سلمان تاثیر کے قتل میں ملوث ممتاز قادری کی سزائے موت پر تبصرہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کی عدالت کے جج پرویز علی شاہ کا ملزم سے مخاطب ہو کر یہ کہنا کہ تمہارا اقدام اسلام کی رو سے جائز ہے لیکن ملکی قانون کی خلاف ورزی ہے، لہٰذا تمہیں موت کی سزا دی جاتی ہے، اصلاً اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ پاکستان کے نام کے ساتھ جو اسلام کا لاحقہ لگایا گیا ہے وہ جھوٹ، فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم اجتماعی سطح پر عملاً اسلامی نظام کے مخالف اور اللہ اور رسول ﷺ کے علانیہ باغی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اِس فیصلے نے عدالتی، انتظامی اور مقنّنہ کی سطح پر قومی منافقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ممتاز قادری کے حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ مقدمہ دہشت گردی کی عدالت میں لے جانا درست نہ تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ممتاز قادری پر مقدمہ صرف شرعی عدالت میں چلایا جائے، انہوں نے اِس بات پر دکھ کا اظہار کیا کہ جس ریمنڈ ڈیوس نے سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں دو پاکستانی مسلمانوں کو قتل کیا تھا، اُسے بچانے کے لیے اسلامی قانون کا سہارا لیا گیا، لیکن صاف نظر آتا ہے کہ ممتاز قادری کے معاملے میں اسلام دشمن طاقتوں کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی عذاب کی زد میں ہیں۔ ایسا فیصلہ اللہ کے غضب کو مزید بھڑکائے گا۔ (پریس ریلیز: 3 اکتوبر 2011ء)

آنجہانی سلمان تاثیر نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون کو کالا قانون قرار دے کر اور شاتمِ رسول ﷺ آسیہ کی پیٹھ ٹھونک کر واضح طور پر توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا

دینی جماعتیں ملک میں مکمل نفاذِ شریعت کے لیے بھرپور مہم چلائیں، وگرنہ دین دشمن عناصر مذہب کا استہزا کرتے رہیں گے

ممتاز قادری کو سزائے موت اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطابِ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ آنجہانی سلمان تاثیر نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون کو کالا قانون قرار دے کر اور شاتمِ رسول ﷺ آسیہ کی پیٹھ ٹھونک کر واضح طور پر توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کے دور میں کئی ایسی مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شاتمِ رسول کو کسی عدالتی اور قانونی کارروائی کے بغیر ہی قتل کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسے مقدمات لائے گئے تو آپؐ نے قاتل کے اقدام کو درست قرار دے کر شاتمِ رسول کا خون رائیگاں ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ انہوں نے دینی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ ملک میں مکمل نفاذِ شریعت کے لیے بھرپور مہم چلائیں، وگرنہ اس نوعیت کے واقعات رونما ہوتے رہیں گے اور دین دشمن عناصر مذہب کا استہزا کرتے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ممتاز قادری کی رہائی کے لیے زبردست تحریک چلائی جائے گی جو کامیابی سے ہمکنار ہوگی، ان شاء اللہ۔

(پریس ریلیز: 7 اکتوبر 2011ء)

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

حقانی نیٹ ورک کا شوشہ اور امریکی دباؤ

محمد فہیم

امریکی قیادت اب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہے۔تمام سفارتی ذرائع اور مکالمہ کی راہ چھوڑ کر امریکہ دھمکیوں پر اُتر آیا ہے۔وہ پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ یا تو وہ شمالی وزیرستان میں حقانی نیٹ ورک (جو اس کے خیال میں وہاں موجود ہے) کی فعال پناہ گاہوں کے خلاف بھرپور آپریشن کرے یا پھر ان نتائج کو بھگتنے کے لیے تیار ہوجائے جو امریکہ کی یکطرفہ کارروائی کے نتیجے میں نکلیں گے۔اس صورت حال کو امریکی میڈیا جس طور سے نمایاں کر رہا ہے، اس سے لگتا ہے کہ امریکہ کو اپنے اتحادی کی قربانیوں کا پاس ہے اور نہ اسے اس پر کچھ اعتماد ہے۔ نئے مطالبے، نئی دھمکیاں اور نئے احکامات ہیں جو وائٹ ہاؤس اور پنٹاگون کے اہلکاروں کی طرف سے مسلسل آرہے ہیں۔امریکی قائدین خواہ وہ باراک اوباما ہوں، یا ہیلری کلنٹن، مائیک مولن ہوں یا لیون پنیٹا یا جنرل پیٹریاس، سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ یا تو حقانی نیٹ ورک کے خلاف ہتھیار اُٹھا کر شمالی وزیرستان پر حملہ کرو، یا پھر خود ہمارے ہاتھوں وہاں سبکی کے لیے تیار ہوجاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یا تو ہمارے دشمنوں کو مارو یا پھر مرنے کے لیے تیار رہو۔ یہ دھمکی مسلسل اور شدت کے ساتھ دی جارہی ہے۔

پاکستان پر اس علاقے میں فوجی آپریشن کے لیے زور دیا جارہا ہے، جہاں کئی سالوں سے امریکہ ڈرون حملے کرکے ہزاروں بے گناہ شہریوں کو شہید کرچکا ہے۔اس کی کبھی تصدیق نہیں ہوسکے گی کہ اب تک کتنے لوگ مارے جاچکے ہیں۔ ہماری پارلیمنٹ کی قرارداد ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی اور حکمرانوں نے ڈرون حملوں پر چپ سادھ لی ہے۔ امریکہ اپنی ہائی ڈرون ٹیکنالوجی کو وزیرستان کے محب وطن مسلمانوں پر آزما رہا ہے اور ہماری قیادت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنی ہوئی ہے۔دوسری طرف امریکہ نے نہایت چالاکی سے بعض بظاہر پاکستانی لیکن دراصل امریکی مفادات کے رکھوالے پاکستانی اہلکاروں (جن میں خصوصیت کے ساتھ امریکہ میں ہمارے سفیر حسین حقانی شامل ہیں، جو بے تحاشا امریکی بلیک واٹر کو ویزے دے رہے ہیں) کے تعاون سے پاکستان میں خفیہ تخریب کاروں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ ہمیں یاد ہے۔دیگر امریکی خفیہ دہشت گرد کتنے ہیں اور کہاں کہاں اپنے ''فرائض'' انجام دے رہے ہیں، عوام کو کوئی پتہ نہیں۔ہوسکتا ہے ہماری سیاسی قیادت کو اس کا علم ہو، مگر ڈالروں کی چکا چوند نے ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔ امریکی خفیہ فوج ''بلیک واٹر''، جو نام تبدیل کرتی رہتی ہے، کی وجہ سے ہمارے ملک میں تخریب کاری، دہشت گردی، دھماکے اور مساجد اور جنازوں میں خودکش حملے جاری ہیں۔ ایک لامتناہی آگ وخون کا سلسلہ ہے جو رُکنے کا نام نہیں لیتا۔

امریکی دوستی اور اس کے ساتھ وفاداری نبھانے کے لیے ہمارے ایک کمانڈو جرنیل نے امریکہ کی ایک فون کال پر اپنے تمام سٹارز امریکی قیادت کے پاؤں میں رکھ دیے تھے۔جرنیل کے چلتا ہونے کے بعد جمہوری طریقہ پر اقتدار میں آنے والی سیاسی قیادت نے امریکی وفاداری میں کہیں زیادہ پھرتی دکھائی اور آج صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اس حد تک آگیا ہے کہ اس کی زہرناکی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ہم نے سینکڑوں ''القاعدہ'' ارکان پکڑ پکڑ امریکہ کے حوالے کیے، لیکن امریکہ ہمارا اپنا نہ ہوسکا۔ ہاں یہ ہوا کہ وہ ہم پر دباؤ ڈالنے میں اور زیادہ شیر ہوگیا۔اس کا Do more کا مطالبہ بڑھتا گیا۔وہ ہمیں ایک ایسے موڑ پر لے آیا ہے کہ ہم ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' والی صورت حال سے دوچار ہیں۔حکم دیا جارہا ہے کہ تمہیں جو بھی ایڈ (بلکہ ایڈز) ملے گی وہ ہمارے حکم ماننے کے ساتھ مشروط ہوگی۔ہم کہیں گے، حملہ کرو تم حملہ کروگے، ہم کہیں گے حقانی نیٹ ورک کے مجاہدین پاکستان سے ڈھائی سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے کابل آرہے ہیں اور حملہ کرکے واپس بخیریت وزیرستان چلے جاتے ہیں، تمہیں کہنا ہوگا آمنا وصدقنا۔ یہ ہے صورت حال۔

ہمارے حکمرانوں میں تو جواب دینے کا دم خم ہے ہی نہیں۔تاہم دُنیا کے ''مہذب ترین'' امریکی عوام کے عقل وفہم پر افسوس ہوتا اور ترس آتا ہے جو اپنے صدر اوباما، اور لیون پینٹا، مولن، پیٹریاس، اور ہیلری کلنٹن سے اتنا بھی نہیں پوچھتے کہ اگر حقانی نیٹ ورک کے ''جنات'' تمام رکاوٹوں کو عبور کرکے میران شاہ سے کابل پہنچ کر ہم پر حملہ آور ہورہے ہیں تو پھر تم کیا کرتے ہو، پھر تو تم زندہ جل مرو۔ میران شاہ سے کابل تک 200 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ پھر یہ کہ ان دونوں کے درمیان افغانستان کے تین صوبے خوست، پکتیا اور لوگر واقع ہیں۔خوست میں امریکی فوج قابض ہے، جو وہاں کا ہوائی اڈہ بھی جنگی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔اسی طرح پکتیا میں بھی امریکی انفنٹری براجمان ہے۔اب اگر حقانی نیٹ ورک کے لوگ حقیقتاً میران شاہ میں موجود ہیں اور وہ ان تین صوبوں کو پار کرکے کابل میں امریکیوں اور نیٹو پر حملہ آور ہوتے ہیں تو بھی یہ امریکی انٹیلی جنس اور قابض فوج کی بدترین ناکامی نہیں، تو اسے اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔اور کوئی بھی غیرت مند فوج اس ہزیمت کی حالت میں نہیں رہ سکتی۔ اُس کے لیے واپس گھر جانا ہی بہتر ہے۔جدید ٹیکنالوجی اور اسلحہ سے لیس دو لاکھ افواج کی موجودگی میں بھی اگر حقانی نیٹ ورک کے مجاہدین کابل آکر حساس ترین مقامات پر یلغار کرکے واپس بخیریت اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر یہ بھاری فوج اور جدید اسلحہ کس مرض کی دوا ہے اور افغانستان میں بیٹھے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ان کو تو پھر فی الفور واپس چلے جانا چاہیے۔ان کی بیویاں ان کی راہ تکتے مایوس ہو رہی ہوں گی۔ یہ تو بات نہ ہوئی کہ دُنیا کی سب سے ''طاقتور'' فوج کی یہ حالت ہو۔

اگر امریکی ''مہذب'' عوام دماغ کے موٹے

ہیں تو یورپین اور خصوصاً برطانیہ کے انگریز تو بڑے ہشیار، دانا اور ''مہذب'' مشہور ہیں۔ وہ کیوں اپنے حکمرانوں کے گریبانوں میں ہاتھ نہیں ڈالتے کہ وہ اِس نہایت فضول قسم کی جنگی مہم سے باہر آجائیں۔ حقانی کے ساتھ کون سے بمبار طیارے، ٹینک اور سیلز ہیں کہ حملہ آور فوجیں اتنی خوف زدہ ہوچکی ہیں۔ یاد رہے کہ پاکستان نے بہت پہلے یہ پیشکش کی تھی کہ سرحد پر باڑ لگا کر دراندازی کو کم کیا جائے مگر امریکہ نے اِسے منظور نہیں کیا۔ اگر امریکہ چاہے تو یہ کام آج بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امریکی خفیہ ادارہ سی آئی اے، را اور افغان خفیہ اداروں کے ساتھ مل کر پاکستان میں دراندازی کروا رہا ہے۔ سرحد پر باڑ لگوانے سے وہ دراندازی ختم یا مشکل ہوجائے گی، لہٰذا امریکہ اور اس کے ساتھی ایسی کوئی بھی تجویز ماننے سے انکاری ہیں۔

گزشتہ چند ماہ کے دوران افغانستان کی طرف سے باقاعدہ لشکر کشی کر کے ہماری سرحدی چوکیوں کو نشانہ بنایا گیا ہے اور ہماری پیراملٹری فورسز کے سینکڑوں جوان شہید کیے جاچکے ہیں۔ اپر دیر، باجوڑ، چترال اور مہمند ایجنسی میں یہ واقعات بڑے پیمانے پر ہوچکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ کہا یہ جارہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پاکستانی فوج کے آپریشن سے بھاگ کر سرحد پار پناہ لے چکے ہیں، بہت خوب۔ کیا یہ نیٹو اور امریکی حملہ آوروں کی ذمہ داری نہیں کہ وہ ایسے حملوں کو روکیں۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ ان حملوں میں ان کا ہاتھ ہے، یا وہ کم از کم اس قسم کی کارروائیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ پاکستانی حکمران بے حمیتی کی حدیں پھلانگ چکے ہیں۔ ان کا ان حملوں کے جواب میں ردعمل نہ صرف غیر مؤثر ہے بلکہ انھوں نے اسے مؤثر بنانے کی سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ اِس حقیقت کے ادراک کے باوجود کہ ان حملوں کے پس پردہ کون ہے، ہمارے حکمرانوں کو سچ بولنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مطالبہ کرتے کہ امریکہ ہمارے نقصان کی تلافی کرے اور آئندہ سختی کے ساتھ اس دراندازی کو روکے۔

بہرحال گیارہ سالوں کے کشت وخون کے باوجود امریکی واتحادی نہ تو افغانستان کو فتح کرسکے اور نہ کابل مونسپلٹی کے باہر (بلکہ اب اندر بھی) اپنی رٹ قائم کرسکے۔ وہ ان خالی ہاتھ طالبان کو جن کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں، زیر نہ کرسکے۔ ہمارے حکمرانوں کو بلکہ پوری دنیا کو اب جبکہ ذلت آمیز شکست امریکہ کا مقدر ٹھہری ہے، یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ دہشت گرد ریاست بھی امریکہ ہے اور دہشت گرد فوج بھی امریکہ کی ہے۔ امریکہ پر افغانوں نے حملہ نہیں کیا، بلکہ یہ امریکہ ہی تھا جو ایک بہت ہی کمزور مسلمان ملک پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے چند بے حمیت اور ننگ قوم عناصر سے گٹھ جوڑ کر کے وہاں بیٹھا ہے۔ امریکہ کے خلاف مقامی مسلمانوں کا ہتھیار اُٹھا کر لڑنا بالکل سادہ اور قابل فہم بات ہے۔ اِسے عقل سے عاری لوگ ہی دہشت گردی کہیں گے۔

امریکیو، تم اسامہ بن لادن پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا الزام لگا کر اور 15 ہزار میل کی دوری سے آ کر یہاں ایک بے بس قوم پر حملہ آور ہوئے، اور اب تمہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ کیا کریں۔ کبھی حقانی نیٹ ورک کا ہوّا کھڑا کر کے اور کبھی آئی ایس آئی کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے اپنی خفت کو مٹانے کی کوشش کرتے ہو۔ تمہاری شکست تو نوشتۂ دیوار ہے۔ امریکیو، تمہاری اور نیٹو کی افواج ہی نہیں، بلکہ تمہاری ہائی ٹیکنالوجی بھی، جس پر تمہیں بہت غرور تھا، افغان مجاہدین کے سامنے بے بس ہو کر فیل ہوچکی ہے۔ 7 اکتوبر 2001 اور اب 7 اکتوبر 2011ء تک پورے دس سال ہوچکے ہیں، مگر کامیابی تو درکنار، اتنی تباہی اور بربادی کے بعد بھی تم حیران وپریشان ہو کہ اب کمبل سے چھٹکارا کیسے حاصل کریں۔

امریکی قیادت کو اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں امریکی، یورپی اور افغانیوں کی ہلاکتوں اور اربوں ڈالرز کی املاک کی تباہی کا ذمہ دار کون ہے؟ اس میں شک نہیں آپ نے اقوام متحدہ اور اس کے اداروں کو غلام بنا رکھا ہے، لیکن مکافات عمل بھی کوئی چیز ہے۔ آج امریکی عوام بد ترین اقتصادی صورت حال سے دوچار ہیں۔ بے روزگاری کی شرح آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ امریکی حکومت سب سے زیادہ مقروض ہوچکی ہے۔ یہودی بینکرز اس کی گردن پر سوار ہیں۔ اگرچہ امریکہ پاکستان کے خلاف افغان جنگ جیسی مہم جوئی کا متحمل نہیں ہوسکتا، تاہم اوبامہ کو دوبارہ الیکشن میں کامیابی کے لیے نت نئے حربے تو اختیار کرنے ہیں۔ ان حربوں میں سب سے نمایاں پاکستان میں دراندازی کی دھمکی اور حقانی نیٹ ورک کے خلاف کارروائی کے لیے پاکستان پر دباؤ ڈالنا شامل ہے۔ اس خونی عشرہ کے دوران ہم نے امریکی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے اپنے ہزاروں جوانوں اور شہریوں کی قربانی کے علاوہ کھربوں ڈالر کی املاک کا نقصان برداشت کیا۔ تاہم امریکہ کی تشفی نہ ہوسکی اور وہ "Do more" کا راگ مسلسل الاپ رہا ہے۔

امریکہ اب تاریخ کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو وہ آج دہشت گردوں کے نام سے پکار رہا ہے، کل تک وہ اُن کے گن گاتا تھا۔ یہی تو وہ ''جہادی'' تھے، جن کو لاکر اور تربیت دے کر سوویت یونین کے خلاف لڑوایا گیا۔ اب جبکہ یہ لوگ افغانستان میں امریکی مداخلت کے خلاف صف آرا ہوئے تو یہ جہادی نہیں رہے ''دہشت گرد'' ٹھہرے ہیں۔ 80 کے عشرہ کے دوران امریکہ کی پروپیگنڈا مشنری اِن لوگوں کے متعلق جو کچھ کہہ رہی تھی، اب اُس کے بالکل متضاد راگ الاپ رہی ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اِن طالبان کے دور حکومت میں ہماری مغربی سرحدات جتنی محفوظ تھیں، پاکستان کی 64 سالہ تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ امریکی مداخلت سے اب ہمیں مغرب اور مشرق دونوں طرف سے خطرات کا سامنا ہے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ امریکہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں بھارت کے ساتھ فوجی اور سویلین معاہدے کر رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ہم غیر مشروط طور پر بھارت کی بالادستی تسلیم کریں۔

اندرونی محاذ پر بہت سارے زرخرید فنکار ایسے ہیں جو امریکہ کی وکالت کرتے ہوئے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ہمیں آنکھیں بند کر کے شمالی وزیرستان میں آپریشن کرنا چاہیے، لیکن یاد رکھیے، اگر ہم ایسا کر بھی لیں گے تو امریکہ کی "Do More" ختم نہیں ہوگی۔ پھر یہ کہ امریکہ کی حمایت کی وجہ سے ہم جس دہشت گردی کا سامنا کر رہے ہیں، وہ بھی کئی گنا بڑھ جائے گی، جس کے ہم کسی بھی طور متحمل نہیں ہوسکتے۔ دوسرے لفظوں میں فوجی آپریشن کی حماقت کے نتیجے میں ہم اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو اور زیادہ طاقت فراہم کریں گے۔ دشمن کے خلاف تیاری بھرپور انداز سے کی

(باقی صفحہ 15 پر)

صلح حدیبیہ کے اثرات ونتائج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا فکر انگیز خطاب

معاہدہ حدیبیہ کے اہم واقعہ کو قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا﴾ (الفتح:1) ”بے شک ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کے لیے تابناک اور کھلی فتح کا فیصلہ فرمایا“۔ صلح حدیبیہ کو رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے ضمن میں ایک نہایت اہم موڑ (turning point) کی حیثیت حاصل ہے۔ درحقیقت اس معاہدۂ صلح کا مطلب یہ تھا کہ قریش نے نبی اکرم ﷺ کو ایک ”طاقت“ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ سیاسیات اور بین الاقوامی معاملات میں دراصل یہی بات فیصلہ کن ہوتی ہے کہ کسی فریق کی قانونی وآئینی حیثیت تسلیم کرلی جائے۔ یہ اس کے لیے یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے اُس فریق کو بہت سے حقوق وتحفظات حاصل ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر عربوں نے طویل عرصے تک یہود کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنا تو کجا ایک کمرے میں بیٹھنا بھی قبول نہ کیا تھا، لیکن اب وہ ایک ایک کرکے اسرائیل کو تسلیم کررہے ہیں۔ بہرکیف قریش کی طرف سے مصالحت پر آمادہ ہوجانے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تحریری شکل میں صلح کا معاہدہ کرلینے کا مطلب تھا کہ گویا قریش نے یہ تسلیم کرلیا کہ محمد (ﷺ) عرب کی ایک سیاسی اور عسکری طاقت ہیں، جن سے انہوں نے صلح کا معاہدہ کیا ہے۔ یعنی قریش کو تسلیم کرنا پڑا کہ محمد (ﷺ) اب ایک ایسی طاقت ہیں جنہیں تسلیم کیے بغیر اب کوئی چارۂ کار نہیں۔ اس صورت حال کے پس منظر میں مدینہ منورہ کی واپسی کے سفر کے دوران سورۃ الفتح کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ﴾ (آیت:10)

”بے شک جو لوگ (اے محمد ﷺ) آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ کے اوپر......“

اور

﴿لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَاَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾﴾

”(اے نبیؐ) تحقیق اللہ راضی ہوگیا ایمان والوں سے جب وہ بیعت کرنے لگے آپؐ سے درخت کے نیچے۔ اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا۔ تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔“

آیت 27 میں فرمایا:

﴿لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوۡلَہُ الرُّءۡیَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ ۙ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَمُقَصِّرِیۡنَ ۙ لَا تَخَافُوۡنَ ؕ﴾

”بے شک اللہ نے سچ کردکھایا اپنے رسول کو خواب حق کے ساتھ۔ تم لازماً داخل ہوکر رہوگے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے اپنے سروں کے بال مونڈتے اور کترتے ہوئے، بے کھٹکے......“

جب یہ آیات نازل ہوئیں اور اہل ایمان کے سامنے ان کی تلاوت کی گئی تو ان آیات نے گویا ان کے زخمی دلوں پر مرہم کے پھاہے کا کام کیا۔ اہل ایمان جس چیز کو اپنے خیال میں شکست سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین قرار دیا۔ اس سے مسلمانوں کے دل مسرت وشادمانی سے باغ باغ ہوگئے۔

اس صلح کے بعد نبی اکرم ﷺ کو یکسو ہوکر اپنی دعوتی سرگرمیوں پر پوری توجہ دینے کا موقع مل گیا۔ صلح حدیبیہ سے حضور ﷺ کی دعوت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک تو اندرون عرب مختلف قبائل کو دعوت ہے اور دوسری دعوت بیرون عرب انقلابی جدوجہد کا آغاز ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ اصحاب صفہ کی جو جماعت تیار ہورہی تھی، حضور ﷺ نے ان کے وفود بنا بنا کر مختلف قبائل کی طرف بھیجنے شروع فرمائے۔ مزید برآں اب تک مسلمانوں اور مشرکین کا آپس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس صلح کے بعد یہ روک ٹوک اُٹھ گئی تو آمد ورفت شروع ہوئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات وروابط کی وجہ سے کفار مکہ مدینہ منورہ آتے، وہاں طویل عرصہ تک قیام کرتے۔ اس طرح مسلمانوں سے میل جول رہتا اور باتوں باتوں میں اسلام کی دعوتِ توحید اور دیگر عقائد ومسائل کا تذکرہ ہوتا اور ان پر تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا۔ ہر مسلمان اخلاص اور حسن عمل کا پیکر، نیکوکاری، حسن معاملات اور پاکیزہ اخلاق کی زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے تھے، ان کی صورتیں، ان کے اعمال، ان کے اخلاق اور ان کے معاملات یہی مناظر پیش کرتے۔ ان اوصاف کی وجہ سے مشرکینِ مکہ کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھینچے چلے آتے۔ الغرض، اس صلح کے نتیجہ میں اسلام جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جیسے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ اس صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ اس سے قبل نہیں لائے تھے۔

صلح حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے ”فتح مبین“ قرار دیا ہے، لیکن یہ اجسام کی نہیں قلوب کی فتح وتسخیر تھی۔ اس مرحلہ پر اسلام کو اپنی دعوت کی اشاعت کے لیے امن درکار تھا جو اس صلح سے حاصل ہوگیا۔ دعوتِ توحید کی وسعت کو دیکھ کر خود قریش یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ ہماری شکست اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی فتح ہے۔ اس صلح کے ثمرات وفوائد بہت سے ہیں، مختصراً یہ کہ درحقیقت صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ کی تمہید بنی۔ نبی اکرم ﷺ کو 6ھ سے 8ھ تک امن وسکون کے جو دو سال ملے، اِن میں توحید کی انقلابی دعوت نے نہایت سرعت کے ساتھ وسعت اختیار کی اور مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت

فراہم ہوگئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلی مرتبہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر متعدد سلاطین کو اپنے دعوتی مکتوبات ارسال فرمائے۔ اس سے پہلے آپؐ نے بیرون عرب نہ کوئی نامہ مبارک لکھا اور نہ ہی کوئی ایلچی بھیجا۔ حضور ﷺ کی تمام دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں جزیرہ نمائے عرب کے اندر اندر تھیں، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے دعوتی سرگرمیاں عرب کی حدود سے باہر بھی شروع فرمائیں اور آپؐ نے مختلف صحابہؓ کو ایلچی بنا کر عرب کے اطراف و جوانب میں تمام سربراہانِ سلطنت کی جانب بھیجا اور انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ دوسرے لفظوں میں صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ کی دعوتی سرگرمیاں دو شاخوں میں بٹ گئیں۔ ایک اندرونِ ملک عرب اور دوسری بیرونِ ملک عرب — آخر الذکر مرحلہ انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا مرحلہ ہے۔

جب قریش سے حدیبیہ کے مقام پر دس سال کے لیے صلح ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس طرف سے اطمینان ہوگیا تو 6ھ کے اواخر میں آپؐ نے جزیرہ نمائے عرب میں یہود کی اس طاقت کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ فرمایا جو خیبر کے مقام پر مجتمع ہوگئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے کوشش فرمائی کہ یہود خیبر سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔ چنانچہ آپؐ نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور بعد میں کئی سفارتی وفود اُن کے پاس بھیجے لیکن وہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آئے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار دستے مدینہ کے باہر متفرق چھوٹی چھوٹی آبادیوں پر حملے کرتے اور غارت گری کے بعد بھاگ جاتے۔ بالآخر نبی اکرم ﷺ نے ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے غرض سے ذوالحجہ 6ھ میں مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔ لیکن خیبر کا معرکہ 7ھ کے اوائل میں پیش آیا، کیونکہ اس غزوہ نے کافی طول کھینچا۔ خیبر میں یہود کی بڑی قوت مجتمع تھی، جہاں یکے بعد دیگرے ان کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ چنانچہ ہر قلعہ پر زبردست جنگ ہوئی۔ آخری مضبوط ترین قلعہ (قموص) حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہود کے بڑے بڑے سردار اِن معرکوں میں مارے جا چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کامل شکست تسلیم کرلی۔ اہل اسلام نے فتح کے بعد مفتوحہ علاقہ پر قبضہ کرلیا، البتہ یہود کی درخواست پر زمین ان کے قبضہ میں اس شرط کے ساتھ رہنے دی گئی کہ وہ پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ جب بٹائی کا وقت آتا، نبی اکرم ﷺ اپنے کسی صحابیؓ کو بھیجتے، جو آکر غلہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرکے یہود سے کہا کرتے تھے کہ انتخاب کا حق تمہیں حاصل ہے، جو حصہ چاہو تم لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہوکر کہتے تھے کہ ’’زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں‘‘۔

غزوۂ خیبر پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلموں کو رعایا بنایا گیا۔ گویا صلح حدیبیہ اور یہود کا رعیت کی حیثیت قبول کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اسلامی طرزِ حکومت کی بنیاد بھی قائم ہوگئی اور اس کا عملی ظہور بھی شروع ہوگیا — حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت کے آغاز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ مرضِ وفات میں وصیت فرما گئے تھے کہ یہود جزیرہ نمائے عرب میں رہنے نہ پائیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو مدعیانِ نبوت، مانعینِ زکوٰۃ اور فتنۂ ارتداد سے کامل طور پر نمٹنے میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اس معاملہ کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ خلافت صدیقیؓ کے دَور ہی میں یہ تمام فتنے ختم ہو چکے تھے، لیکن ساتھ ہی توحید کی اس انقلابی دعوت کی توسیع کے عمل کا بیرونِ عرب آغاز ہو چکا تھا اور قیصر و کسریٰ سے باقاعدہ لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ جزیرہ نمائے عرب سے یہود کے مکمل اخراج کا معاملہ دورِ خلافت صدیقیؓ کی بجائے دَورِ خلافت فاروقیؓ کے آغاز میں شروع ہوا اور ایک قلیل عرصہ میں تمام یہود جزیرہ نمائے عرب سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوئی اور ان کو کامل آزادی دی گئی کہ وہ اپنا جملہ منقولہ ساز و سامان ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ اس طرح جزیرہ نمائے عرب یہود جیسی سازشی قوم کے وجود سے پاک ہوگیا۔

ذیقعدہ 7ھ میں نبی اکرم ﷺ نے عمرۂ قضا ادا فرمایا۔ آپؐ نے اعلان کرادیا کہ جو اصحاب پچھلے سال حدیبیہ میں موجود تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے، سب کے سب چلیں۔ چنانچہ اس دوران جو لوگ فوت ہوگئے تھے ان کے سوا سب نے آپؐ کی پکار پر لبیک کہا اور عمرے کی سعادت حاصل کی۔ صلح حدیبیہ میں طے شدہ شرائط کے مطابق نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں حالت احرام میں مکہ تشریف لائے۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ بآوازِ بلند تلبیہ کہتے ہوئے حرم شریف کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ نبی اکرم ﷺ کے اونٹ کی مہار پکڑے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ ان اشعار کو امام ترمذیؒ نے شمائل میں نقل کیا ہے:

خلّوا بنی الکفّار عن سبیلہ
الیوم نضربکم علیٰ تنزیلہ
ضربًا یزیل الھام عن مقیلہ
ویذھل الخلیل عن خلیلہ

’’کافرو! آج سامنے سے ہٹ جاؤ۔ آج تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے۔ وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کردے اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔‘‘

صحابہ کرامؓ کا جم غفیر تھا اور وہ کعبہ شریف کی دید سے شاد کام ہو رہے تھے اور عمرہ ادا کرنے کی تمنا و آرزو کو پورے جوش و خروش اور چشم تر سے بجا لا رہے تھے۔ شرط کے مطابق حضور ﷺ اور صحابہؓ تین دن تک مکہ میں مقیم رہے۔ قریش کے تمام بڑے بڑے لوگ مکہ سے نکل گئے کہ نہ ہم اہل ایمان کو دیکھیں نہ ہمارا خون کھولے اور نہ اس کے نتیجے میں کوئی تصادم اور حادثہ وقوع پذیر ہو۔ لہٰذا وہ سب کے سب پہاڑوں پر چلے گئے۔

حقیقی نہیں تو معنوی طور پر یہ قریش کی زبردست شکست تھی اور حضور ﷺ اور صحابہؓ کے ادائے عمرہ سے ان کی ساکھ کو بڑا شدید نقصان پہنچا تھا۔ کیونکہ اُس وقت صورت حال یہ تھی کہ اگرچہ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی لیکن پورے عرب کی سیاسی، مذہبی اور معاشی سیادت و قیادت قریش کے ہاتھ میں تھی۔ گویا باقاعدہ اور تسلیم شدہ نہ سہی لیکن بظاہر احوال درحقیقت (de facto) قریش کو پورے عرب پر ایک نوع کی حکمرانی حاصل تھی۔ اگرچہ کوئی باضابطہ اعلان شدہ (declared) حکومت نہیں تھی اور کوئی تحریری معاہدہ یا دستور و آئین موجود نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہاں قبائلی نظام تھا، لیکن قدیم روایات موجود تھیں جس کے مطابق معاملہ چل رہا تھا۔

☆☆☆

زبان کی پھسلن

عتیق الرحمٰن صدیقی

زبان دو جبڑوں کے درمیان گوشت کا ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے۔ مگر اس کی فعالیت بے کراں وسعتوں کی حامل ہے۔ اس سے مروّت اور محبت کے پھول بھی کھلتے ہیں جو فضاؤں کو عطر بیز بناتے ہیں اور فتنہ و فساد کے شرارے بھی جھڑتے ہیں جو گرد و پیش کو آتشیں بنا کر نفرت کی کھیتی کو پروان چڑھاتے ہیں۔ یہ زبان وصل کی آسودگی بھی عطا کرتی ہے اور فصل کی ناآسودگی کا باعث بھی بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے اس کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے استفسار کیا کہ یارسول اللہ، آپ کو مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا ڈر ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا، ’’اس کا ڈر ہے۔‘‘ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔‘‘ (ترمذی)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ؑ کو جب پیغمبر بنا کر حق کی دعوت پیش کرنے کے لیے فرعون کے دربار میں بھیجا گیا تو یوں نصیحت فرمائی گئی: ’’دیکھو، اس سے نرمی سے گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔‘‘ (طٰہٰ:44)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔‘‘

عطا ابن یسار ؒ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ دو چیزوں کی برائی سے بچادے تو وہ جنت میں جائے گا۔ ایک شخص نے پوچھا، یارسول اللہ! آپؐ ہم کو نہیں بتاتے کہ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ خاموش ہو رہے، پھر آپؐ نے یہی فرمایا۔ وہ شخص بھی بولا اور آپؐ خاموش رہے۔ پھر آپؐ نے یہی فرمایا۔ وہ شخص وہی بولا (یعنی آپؐ ہم کو نہیں بتاتے) پھر آپؐ نے یہی فرمایا۔ وہ شخص بولا آپؐ ہم کو نہیں بتاتے۔ پھر آپؐ نے یہی فرمایا۔ وہ شخص وہی بولے جاتا تھا، اتنے میں ایک دوسرے شخص نے اس کو چپ کرا دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرمایا۔ ’’جس کو اللہ دو چیزوں کے شر سے بچالے وہ جنت میں جائے گا ایک وہ جو اس کے دونوں جبڑوں کے بیچ میں ہے (زبان) دوسرے وہ جو اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ہے۔ (شرم گاہ)‘‘ تین بار آپؐ نے اس کو ارشاد فرمایا۔ (مؤطا امام مالک)

بے تکی ہانکنے، لغو اور بے ہودہ گفتگو کرنے، دوسروں کی تنقیص کرنے، بغیر تحقیق کے الزام دھرنے کا رواج ہمارے ہاں عام ہے۔ عام لوگ اس شغل میں تو مشغول ہوتے ہی ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ واعظ و ناصح، سیاستدان، اچھے خاصے دانشور اور اقتدار کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے لوگ اس برائی کے عادی ہیں۔ ناپ تول کر بات کرنے کا یا تو ان میں سلیقہ نہیں یا جہالت سے وہ دوسری پر کلوخ اندازی کرکے، سب و شتم کے تیر برسا کر لطف لیتے ہیں اور اس بات سے غافل ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں اور باہم روابط و تعلقات کی راہ کھوٹی کر رہے ہیں۔

بلال بن حارث کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی ایک بات کہہ دیتا ہے، وہ نہیں جانتا کہ کہاں تک اس کا اثر ہوگا۔ اس کی وجہ سے اللہ اپنی رضامندی قیامت تک اس بندے سے لکھ دیتا ہے اور ایک ایسی بات کہتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا کہ کہاں تک اثر ہوگا۔ اس کی وجہ سے قیامت تک اللہ اپنی ناراضی اس بندے سے لکھ دیتا ہے۔

تمام تر بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زبان کھولتے وقت حزم و احتیاط سے کام لیا جائے، کوئی ایسا گل نہ کھلایا جائے جو ماحول کو مکدر کردے۔ قرآن میں اللہ نے اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ’’میرے بندوں سے کہیں کہ وہی کہیں جو بہتر ہو (جس میں خیر و بھلائی ہو) کیونکہ شیطان لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔‘‘ (بنی اسرائیل:53)

مولانا سید سلیمان ندوی نے بڑے خوب صورت انداز میں اس کی توضیح کی ہے کہ

’’آیت کے پچھلے حصے میں دعویٰ کی دلیل بھی دی گئی ہے کہ خوش گوئی اور خوش کلامی آپس میں میل ملاپ پیدا کرتی ہے اور بدگوئی و بدکلامی پھوٹ پیدا کرتی ہے۔ جو شیطان کا کام ہے۔ وہ اس کے ذریعے لوگوں میں غصہ، نفرت، حسد اور نفرت کے بیج بوتا ہے۔ اس لیے اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ نیک بات بولیں، نیک بات کہیں، اچھے لہجے میں کہیں اور نرمی سے کہیں کہ آپس میں میل ملاپ اور مہر و محبت پیدا ہو۔ اس لیے ’’تنابزوا بالالقاب‘‘ یعنی ایک دوسرے کو برے لفظوں اور نفرت و تحقیر کے خطابوں سے پکارنے کی ممانعت آئی ہے۔ کسی کو کافر یا منافق اور تحقیر و کراہت کے دوسرے القابات سے مخاطب کرنا گویا اس اچھی بات کے خلاف ہے جو آپ اس کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ یہ پہلے ہی نفرت اور ضد کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔‘‘

دعائے مغفرت کی درخواست

- تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے دیرینہ رفیق چودھری محمد اسحاق صاحب گزشتہ ماہ وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی پشاور جنوبی کے رفیق کامران تبسم کی والدہ بقضائے الٰہی وفات پاگئیں
- تنظیم اسلامی پشاور صدر کے رفیق حافظ محمد رئیس کے ماموں بقضائے الٰہی وفات پاگئے
- تنظیم اسلامی پشاور غربی کے ملتزم رفیق حیدر علی کے بھائی انتقال کرگئے
- تنظیم اسلامی پشاور غربی کے امیر محمد سعید کی خوشدامن وفات پاگئیں
- تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی کے رفیق صدام حسین روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں انتقال فرماگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومات کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حسابًا یسیرًا

کرسی! کرسی! کرسی!

نورا کینہ قاضی

دمشق کی شاندار اور پرشکوہ جامع مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ان میں اموی شہزادگان یزید و ہشام بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیزؒ اور حکمران خاندان کے تقریباً سب افراد بھی موجود تھے۔ ان سب کی نظریں بار بار رجا بن حیات پر پڑ رہی تھیں، جو آج بعد نماز مرحوم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا وصیت نامہ پڑھنے والے تھے۔ انتہائی متقی و پرہیزگار، امانت دار و صاحبِ کردار رجا بن حیات مرحوم خلیفہ کے وزیرِاعظم تھے، جن پر مرحوم خلیفہ بے حد اعتماد کرتا تھا۔ وہ ایک طرح سے اس کے رازدار بھی تھے۔

نماز کے بعد رجا بن حیات نے سب کو اپنی جگہوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ان کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ ان کے ہاتھ میں مرحوم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا وصیت نامہ تھا جو چند صفحات پر مشتمل تھا۔ انہوں نے بآوازِ بلند اسے پڑھنا شروع کیا۔ اللہ کی حمد و ثنا اور رسول ﷺ پر درود وسلام کے بعد اور چند اہم امور کے تذکرے کے بعد اس میں مرحوم خلیفہ نے اپنے کسی بھائی بیٹے کی بجائے اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین قرار دیتے ہوئے اپنے اہل خاندان، اہل قبیلہ اور تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت و اطاعت کرنے کی ہدایت کی تھی۔

'اِنا للہ وانا الیہ راجعون' عمر بن عبدالعزیزؒ نے سر پکڑ لیا۔ ان کے پاکیزہ وجود پر لرزہ طاری ہوگیا تھا۔ چہرے کی رنگت متغیر اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔ ''یہ سلیمان نے کیا کردیا؟ کاش! وہ میری بجائے اپنے کسی بھائی یا بیٹے کو اپنا جانشین بنا جاتا۔ اس نے تو میرے سر پر اک پہاڑ لاکر رکھ دیا! میں تو ہرگز اپنے آپ کو اس منصب کا اہل نہیں پاتا۔'' لیکن وصیت کا احترام انہوں نے بہرحال کرنا تھا۔ یہ شرعی حکم بھی تھا قانونی بھی۔ یوں وہ منصب خلافت پر فائز ہوئے۔

خلافت سے پہلے عمر بن عبدالعزیزؒ جس طرح شہزادگی کی زندگی گزارتے رہے تھے اور خلافت کے بعد انہوں نے جس طرح کی زندگی گزاری سب کو معلوم ہے۔ انہیں بمشکل دو اڑھائی سال ہی حکومت کرنی نصیب ہوسکی۔ لیکن ان کا دورِ حکومت خلافتِ راشدہ کا نمونہ تھا اور وہ خود خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خشیتِ الٰہی اور آخرت کے مواخذے کے خوف سے ڈر ڈر کر لرزتے کانپتے گزرا۔ انہیں کبھی سکھ و چین کا سانس نصیب نہ ہوسکا۔ ان کی وفا شعار اور اطاعت گزار اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک بھی اس تمام آزمائش و ابتلا میں ان کی ہم قدم تھیں۔ یہ تمام پاکیزہ سچائیاں اور حقائق تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

خلافتِ راشدہ پھر عمرؒ بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت کو بلاشبہ مسلمانوں کی تاریخ کے درخشاں ابواب کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نفوسِ قدسی تھے جنہیں اقتدار و حکومت کی کوئی ہوس، کوئی خواہش نہیں تھی۔ وہ حکومت کو ایک ناقابل برداشت بوجھ سمجھتے رہے، اور افسوس کرتے رہے کہ کاش یہ بوجھ ان کے سر پر نہ ڈالا جاتا۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کی قیادت کیا چیز ہے۔ یہ کتنی عظیم اور کتنی گراں بار ذمہ داری ہے۔ یہ کس ہمت و حوصلے، کس ثبات اور استقامت، کس صبر و برداشت، کس جرأت و شجاعت، کس تقویٰ و بلند سیرتی، کس امانت و دیانت، کس اخلاص و خلوصِ نیت کی متقاضی ہے۔ جس چیز کو انہوں نے ہر دم پیشِ نظر رکھ کر حکومت کی، وہ خشیتِ الٰہی تھی، روزِ قیامت خوفِ مواخذہ تھا۔ ان کی زندگیاں جس طرح فقر و فاقہ میں بسر ہوئیں، صبر و قناعت، توکل علی اللہ کا نمونہ پیش کرتی رہیں سب کو معلوم ہے۔ انہوں نے بیت المال کو مومنین کی امانت سمجھا اور خود غربت و افلاس کی زندگی پر قانع رہے۔ خدمت عوام و خدمت اسلام ان کا شعار رہی۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ایک ایک حکم پر چلنا اپنا دین و ایمان بنائے رکھا۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ ہر لحاظ سے سچے مسلمان حکمران بن کر دکھایا۔ لیکن ان کے بعد مسلمانوں کی طویل تاریخ میں کہیں بھی ایسے طرزِ حکمرانی کی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ خلافت راشدہ کے بعد امت مسلمہ کی بدقسمتی سے موروثی خلافتوں یا بادشاہتوں کو جو سلسلہ شروع ہوا تو اس کا سلسلہ دراز ہی ہوتا چلا گیا۔ آج بھی اکثر مسلمان ممالک میں موروثی بادشاہتیں قائم ہیں۔ جو کسی بھی طرح اسلام کے نظریۂ حکمرانی پر پوری نہیں اترتیں۔ جن مسلمان ممالک میں جمہوریتیں یا عوام کی حکومتیں قائم ہیں وہ یا تو موروثی آمریت کی بدترین شکل ہیں یا ہوسِ اقتدار میں مبتلا نااہل و نالائق حکمرانوں کی حکومتیں، جن کا مطمحِ نظر صرف لوٹ کھسوٹ، چھین جھپٹ اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنے اقتدار کو طول دینا ہے۔ مصر، شام، لیبیا، تیونس اور خود ہمارا ملک پاکستان اس کی بدترین مثالیں ہیں۔

یہ رونا بڑے تواتر سے رویا جاتا ہے کہ قائدِاعظم کے بعد پاکستان کو آج تک مخلص اور حقیقی معنوں میں اہل قیادت میسر نہیں آسکی۔ لیاقت علی خان کو اپنی مدتِ حکومت پوری کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن ان کے خلوصِ نیت اور اہلیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ یہی بات خواجہ ناظم الدین اور قائداعظم کے مخلص رفقاء کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ لیاقت علی خان کے بعد سیاست دانوں کی ہوس اقتدار کی لامتناہی داستان شروع ہوئی تو یہ آج تک ختم ہونے میں نہیں آرہی۔ ہمارے حکمرانوں کی ہوس اقتدار نے خواہ وہ فوجی ہوں یا غیر فوجی قوم و ملک پر جو ظلم ڈھائے ہیں، محتاجِ بیان نہیں۔ ایسے حکمرانوں کی حکومتیں ملک و قوم کے لیے ہمیشہ تباہ کن عذاب ہی ثابت ہوتی رہی ہیں۔

انہیں ملک وقوم کی فلاح و بہبود، ترقی و خوشحالی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی یا برائے نام ہی دلچسپی تھی۔ انہیں سب سے بڑی فکر اپنی کرسی اقتدار کو بچانے، اسے مضبوط کرنے اور اپنے اقتدار کو دوام دینے ہی کی تھی۔ ان کی توانائیاں، صلاحیتیں اور وسائل اسی کوشش، اسی فکر میں برباد ہوتے رہے اور عوام کا کوئی بھلا نہ ہوسکا۔ اگر عوام کے لیے کچھ کیا بھی جاسکا تو بہت کم اور نہایت کمزور بنیادوں پر۔ ہر نئی آنے والی حکومت سابقہ حکومت کے منصوبوں اور کاموں پر پانی پھیرتی اور انہیں برباد اور ختم کرتی رہی۔ اپنی کرسی بچانے کی فکر میں کسی نے عوام دشمنی سے گریز بھی نہیں کیا۔

آج وطن عزیز کا حال ہر محبِ وطن، صاحب بصیرت کو خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے۔ بدامنی، لاقانونیت، دہشت گردی، قتل و غارت، توڑ پھوڑ، تباہی و بربادی جیسی بلائیں گویا دنیا بھر سے سمٹ سمٹ کر ہمارے ملک میں گھسی چلی آرہی ہیں۔ بجلی و گیس کا بحران، کمر توڑ مہنگائی، افراطِ زر، معاشرتی و تمدنی بگاڑ، تجارت و زراعت کی تباہی جیسے عوامل مل کر ایک ایسے ملک کا نظارہ پیش کررہے ہیں جہاں کوئی حکومتی عملداری نہیں، جہاں انتہائی نااہل و نالائق حکمران لفاظی کے رنگین جال بن کر عوام کو دن رات احمق بنانے، انہیں سبز باغ دکھانے، انہیں شیخ چلیانہ منصوبوں سے بہلانے، ان سے منہ بھر بھر کر جھوٹ بولنے، اپنی کرسی بچانے کی فکر میں ہلکان ہونے اور ملکی دولت کی بے محابا لوٹ کھسوٹ کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ بظاہر خوب خوش پوش جامہ زیب پُروقار و مہذب دکھائی دینے والے یہ حکمران اندر سے گلے سڑے تعفن زدہ ڈھانچے ہیں۔ اسلامی طرزِ حکمرانی کیا ہوتا ہے؟ ایک مسلمان حکمران کو، جسے عوام نے اپنے قیمتی ووٹوں سے منتخب کیا اور قصرِ اقتدار میں داخل کیا، کیسا ہونا چاہیے؟ اس پر کس قسم کی ذمہ داریاں اور فرائض عاید ہوتے ہیں، ان سے اُسے کس طرح عہدہ برا ہونا چاہیے؟ انہیں کچھ معلوم نہیں۔ یہ صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ ایوانِ اقتدار میں اس لیے داخل ہوئے ہیں کہ حکمرانی کے مزے لیں، عیش و عشرت کی زندگی جتنی ہوسکے بسر کریں، جتنی حد تک ممکن ہو اقتدار کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئیں، خوب کھائیں خوب اڑائیں، جی بھر کر لوٹ کھسوٹ کریں۔ عوام تو احمق ہیں، بے حس اور ٹُھس -- ان میں تو اتنی ہمت نہیں کہ ان کے خلاف زبان یا انگلی بھی ہلاسکیں۔

اس صورتِ احوال کے پیش نظر ہوا کا رخ دیکھنے والے مرغانِ بادنما کو قوم و ملک کی فکر میں ہلکان ہونے کے دورے پڑنا شروع ہوگئے ہیں۔ وہ ایسی باتیں کرنے لگے ہیں گویا ان سے بڑھ کر عوام کا ہمدرد اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے والا اور کوئی نہیں۔ ان کے پاس گویا الہ دین کا چراغ ہے جو کرسی ملتے ہی وہ اس کے ذریعے ملک وقوم کے تمام مسائل چٹکی بجاتے حل کردیں گے۔ ان کے زیر حکمرانی ملک عروج و کمال کی بلندیوں پر جا پہنچے گا۔ عوام ایسے خوشحال اور فارغ البال ہوجائیں گے کہ دنیا رشک کرے گی۔ غرضیکہ کرسی کے حصول میں بار بار کے آزمائے ہوئے کچھ پرانے کچھ نئے لوگ عوام کو خوب حسین و رنگین خواب دکھا رہے ہیں۔ لفاظی کے سنہرے جال میں پھنسا رہے ہیں۔ بعض کی چڑھتی پتنگیں دیکھ کر وفاداریاں تبدیل کرنے کے عادی ہر دم اقتدار کے مزے لوٹنے والے لوگ ان کے گرد جمع ہورہے ہیں۔ عوام کے لیے یہ سب چہرے جانے پہچانے ہیں۔

کرسی یا اقتدار کی ہوس--- ایک انتہائی بری اور گھناؤنی چیز ہے۔ احادیث مبارکہ میں ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی گئی ہے جو اقتدار کی ہوس رکھتے ہیں، اپنے لیے حکومت چاہتے ہیں۔ اللہ کے بے شمار برگزیدہ بندے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے حکومت کا نام سنتے ہی ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور اس سے دور رہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی عاقبت بچالی۔ حکمران کے ایک ایک لمحے، ایک ایک معمولی سی حرکت کا اللہ کے حضور کڑا مواخذہ ہوگا۔ یہ بات انہیں بخوبی معلوم تھی۔ لیکن آج کل کے حکمران خوف خدا اور خوف مواخذہ سے یکسر بے نیاز یہودیوں کی طرح ''دنیا کے کتے'' بنے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اندھا دھند اس طرف دوڑتے چلے جارہے ہیں، جہاں اللہ نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے، جس میں جلنا ان کا مقدر ہوگا۔ انہیں یوں آگ میں جلتے دردناک آواز میں چیختے چلاتے فریادیں کرتے وہ لوگ بھی دیکھیں گے جن کی وہ دنیا میں رعایا رہے تھے، جن پر وہ ہر ممکنہ ظلم ڈھاتے، ان پر عرصۂ حیات تنگ کرتے، ان کا خون نچوڑتے، انہیں لوٹتے کھسوٹتے، دولت کے انبار جمع کرتے، اپنے لیے محلات اور عشرت گاہیں تعمیر کرتے رہے تھے۔

یہ سب دیکھتے اور جانتے ہیں کہ ہمارے حکمران جب کرسئ اقتدار پر متمکن ہوتے ہیں تو ان کے پاس کیا ہوتا ہے اور جب کرسی سے اترتے ہیں تو ان کے پاس کیا ہوتا ہے۔ کروڑوں اربوں روپے کہاں سے آکر ان کے باہر کے بینکوں میں جمع ہوتے ہیں۔ اندرون و بیرون ممالک محلات اور وسیع جائیدادیں کیونکر خریدی جاتی ہیں؟ انتہائی مہنگی طرز بود و باش کیونکر اختیار کی جاتی ہے؟ دنیا کی عدالتیں تو شاید کبھی ان کا ایسا کڑا مواخذہ نہ کرسکیں، انہیں قرار واقعی سزا نہ دے سکیں، لیکن یہ بچ بتائیں کہ کیا وہ سب سے بڑے حاکم کی عدالت سے بچ سکیں گے؟ اس کے سامنے جھوٹ بول سکیں گے؟ اپنے آپ کو بچاسکیں گے؟ وہاں تو ان کے چرب زبان وکلاء، جھوٹے گواہان، مال و دولت اور اثر و رسوخ کسی کام نہ آئیں گے۔ ان کے گناہوں کے پلڑے ایسے بھاری ہوں گے کہ دوزخ کی آگ ہی ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بنے گی۔ فاعتبروا یااولی الابصار!

ضرورت رشتہ

☆ اسلام آباد میں رہائش پذیر رفیق تنظیم اسلامی، تعلیم بی اے، عمر 38 سال، سرکاری ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی ترجیحاً رفیقۂ تنظیم کا رشتہ درکار ہے۔ جہیز اور دیگر رسومات سے مجتنب نکاح مسنونہ کے خواہشمند رابطہ کریں۔

برائے رابطہ: 0345-4728259
0301-4576107

معمار پاکستان نے کہا

پاکستان 14 اگست 1947ء کو عظیم اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آیا۔ یہ دنیا میں پانچویں بڑی اسلامی مملکت ہے۔ پاکستان کا آئین، آئین ساز اسمبلی نے بنانا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آئین جمہوری اور اسلام کے مسلمہ قوانین پر مبنی ہوگا۔

(27 فروری 1948ء کو امریکی لوگوں سے ریڈیو پر خطاب)

امریکی سازشوں سے برباد ہونے والے ممالک

سکندر وقاص بٹ

جب سوویت یونین ٹوٹا تو اس گھڑی تیسری دنیا کے بہت سے ممالک نے اپنے بہتر مستقبل کے خواب کو پورا کرنے کے لیے امریکا کی سماجی، معاشی اور معاشرتی ترقی سے متاثر ہو کر امریکا کے پیچھے چلنے کو اپنے لیے مؤثر جانا۔ دنیا کے کئی ممالک میں مملکتی لیول اور بعض میں سیاسی پارٹی لیول پر ایسی متعدد شخصیات منظر عام پر آئیں جنہوں نے امریکی نیو ورلڈ آرڈر کو اپنا خون پسینہ دیا۔ امریکی پالیسی و امریکی نظریہ کو فروغ دینے اور ان کی تکمیل کے لیے کوشش کرنے والے یہ پیادے اپنے کام کرنے کے لحاظ سے الگ تھلگ سہی، لیکن اپنے انجام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے خاصی مماثلت رکھتے ہیں۔

امریکی بالادستی قائم کرنے کا یہ ایجنڈا جنگ عظیم دوئم کے فوری بعد اپنی پوری طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ کھل کھلا کر دنیا کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہوا بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ دوسری جنگ عظیم نیو ورلڈ آرڈر کے لانچ ہونے کا اعلان تھی، اور تاریخ نے اس امر کی تصدیق بھی کی۔ امریکا نے اپنے ورلڈ آرڈر کی ترویج کے لیے پوری دنیا کے لیول پر ایک نیٹ ورک کا آغاز کیا اور اپنی جغرافیائی حدود سے باہر نکل کر دنیا کو ایک گلوبل ویلیج کے تصور سے روشناس کروایا اور اس گلوبل ویلج نامی نئی دنیا کا گلوبل پردھان ہونے کا دعوٰی دار امریکا گلوبل اکانومی، گلوبل پاور اور گلوبل سسٹم کا بانی تصور کیا جانے لگا۔ دنیا کی دوسری چھوٹی بڑی طاقتوں پر مسلط ہونے کا زعم اور جنون امریکا کو خود غرضی اور مکاری کی اس بلندی پر لے گیا کہ جس کی مثال کوئی انسانی تہذیب پیش نہ کر سکی۔ نیز برقی مقناطیسی ٹیکنالوجی کے فروغ پا جانے سے امریکا کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اور یہ بات تو واضح ہے کہ امریکہ کے پس پردہ اصل قوت کس کی ہے۔

1890ء سے لے کر 2003ء تک امریکا کی روش باقی دنیا کے ممالک کی جانب نہایت جارحانہ رہی۔ امریکی فوجی تاریخ پر نگاہ دوڑائی جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ استعماری نظام کا موجد اور نام نہاد انسانی حقوق کا علمبردار ''امریکا'' ایک بدمست ہاتھی کے سوا اور کچھ نہیں کہ جو مستی اور طاقت کے جنون میں کسی کو بھی روند کر چل سکتا ہے۔ امریکا کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے، مقاصد کی تکمیل میں حائل کسی بھی مشکل کو مختلف حیلوں بہانوں اور الٹے سیدھے جواز گھڑ کر اپنے لیے راستہ ہموار کیے رکھا ہے۔ ساتھی بنا کر مقاصد کا حصول اور اس کے بعد آنکھیں ماتھے پر رکھ لینا امریکا کا وطیرہ بن چکا ہے۔ امریکا دنیا کی وہ واحد ریاست ہے کہ جو اپنے دشمن اور اپنے دوست دونوں کے ساتھ مساوی سلوک کرتی ہے یعنی دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ ''دغا''۔ کسی کو گلوبل اکانومی کے جھانسے میں اپنے نیٹ ورک میں شامل کر کے استعمال کر لیا، کسی کو ٹیکنالوجی فراہم کرنے کی آڑ میں مالی طور پر لوٹ لیا اور کسی ملک کے ساتھ سیدھی سیدھی جنگ مول لے کر ساری انسانیت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ امریکا کے چند وفادار تو ایسے ہیں کہ جن کی مثال ہمارے جیسے تیسری دنیا کے ممالک کے کمزور حکمرانوں کے لیے نمونۂ عبرت بن سکتی ہیں اگر وہ اِس سے سبق حاصل کریں تو۔

شاہ ایران محمد رضا پہلوی 1941ء میں ایران کا بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے اقتدار کے دوران امریکا کی جتنی خدمت کی وہ پوری دنیا جانتی ہے۔ شاہ ایران نے اپنے ملک کی قسمت کا ہر فیصلہ امریکی ڈکٹیشن کے ساتھ کیا۔ جو امریکی شہری ایران آتے انہیں فوری اور قانونی طور پر سفارت کار کا درجہ فراہم کر دیا جاتا۔ شاہ ایران صحیح معنوں میں خادم مغرب بنا اور امریکی صدر کو اپنا لیڈر مانتا تھا۔ اس زمانے میں امریکی مہربانیوں اور ہم آہنگیوں کا یہ عالم تھا کہ کیلیفورنیا یونیورسٹی کی واحد شاخ جو امریکا سے باہر بنائی گئی وہ ایران میں تھی۔ شاہ امریکی دوستی کا دم بھرتے بھرتے تھکتا نہ تھا۔ لیکن جب 1979ء میں ایران میں انقلاب آیا تو امریکا نے شاہ ایران کو اکیلا چھوڑ دیا۔ جب شاہ کو اپنی جان بچا کر ایران سے بھاگنا پڑا تو امریکا وہ واحد ملک تھا کہ جس نے شاہ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ شاہ ایران بیمار ہو جانے پر ادھر ادھر بھٹکتا رہا لیکن امریکا نے اُسے علاج کی غرض سے بھی امریکا کی سرزمین پر نہ اترنے دیا۔ شاہ کی وفات کے بعد شاہ کے لواحقین شاہ کی لاش کو لے کر مارے مارے پھرتے رہے لیکن دنیا کے کسی ملک نے امریکا کے ڈر سے اسے دو گز زمین نہ دی اور یوں بالآخر شاہ کو قاہرہ میں قبر نصیب ہوئی۔ یہ تھا وہ اجرِ عظیم جو امریکا نے اپنے ایک ایسے دوست کو دیا جس نے سالوں اُس کی خدمت کی۔

1965ء سے 1986ء تین دہائیوں تک فلپائن کے صدر رہنے والے ''فریڈی اینڈ مارکوس'' ایک سول ڈکٹیٹر تھے۔ انہوں نے اپنی 72 سالہ زندگی میں 42 سال امریکا کی نوکری اور غلامی کی۔ وکالت کی ڈگری رکھنے کے باوجود اتنے جنونی تھے کہ ایک گوریلا فورس کے کمانڈر بھی رہے۔ قلم اور بندوق کے باہمی استعمال کی صلاحیت رکھنے والے مارکوس نے امریکا کے اشاروں پر ناچتے ہوئے زندگی گزاری۔ اپوزیشن میں مارکوس نے امریکا بارے اپنے جذبات پوشیدہ رکھے لیکن امریکی بیساکی کے بل بوتے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد 20 سال کمیونسٹوں کے لیے وبال جان بنے رہے۔ امریکا کی ایماء پر ہزاروں کمیونسٹوں کو ہلاک کیا۔ ویت نام جنگ کے دوران اپنے فوج کی انجینئرنگ یونٹ بھی جنوبی ویت نام بھیجی۔ لیکن 28 ستمبر 1986ء میں وفات پانے والا یہ امریکی سپاہی مرنے سے پہلے امریکا کی دوغلی پالیسی، احسان فراموشی اور محسن کشی کا رونا روتا رہا۔ اور ''ہونولولو'' میں بے چارگی کی موت مرا۔ اور اپنے قریبی حلقہ کے افراد کو امریکا کی دوستی سے دور رہنے بارے وصیتیں کرتا رہا۔

انگولا کی سرزمین پر بھی امریکی جھول دینے والی

دوستی کی ایک داستان گزری ہے۔1934ء میں میکسیکو میں پیدا ہونے والے سیاہ فام گوریلا کمانڈر جوناس سیوونی انگولا بھی ساری زندگی سی آئی اے کے ساتھ باہمی تعاون کی فضا میں کام کرتے رہے۔ انگولا کی آزادی کی جنگ لڑنے والے جوناس سیوونی نے

> **امریکا دنیا کی وہ واحد ریاست ہے کہ جو اپنے دشمن اور اپنے دوست دونوں کے ساتھ مساوی سلوک کرتی ہے یعنی دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ ''دغا''**

1965ء میں چین سے بھی گوریلا وار لڑنے کی ٹریننگ لی۔1975ء میں انگولا میں انگولی حکومت کے خلاف سول وار شروع ہوئی جس میں تین اہم اور بڑے گروپ آمنے سامنے لڑے۔ایم ڈی ایل اے، جوکہ سوویت یونین کے حامیوں کا تھا۔دوسرا ایف این ایل اے مقامی انگولی آزادی پسند اور تیسرا یو این آئی ٹی اے تھا جسے جوناس لیڈ کر رہے تھے۔جوناس کی پشت پر امریکی دوستی کا مان تھا۔جوناس کو1986ء میں واشنگٹن بلا کر اعزازات اور انعام واکرام سے نوازا گیا اور صدر ریگن نے ان سے نجی تعلقات استوار کر کے اُس کے اعتبار کو مزید جیتا اور ہر مشکل وقت میں ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا۔1992ء میں سی آئی اے نے جوناس کو کیمونسٹوں کے ساتھ امن معاہدہ کرنے بارے کہا اور بعد میں جب حالات اور امریکی ترجیحات بدل گئیں تو امریکی حکومت نے ان کے اس معاہدہ کرنے کو ہی ان کا جرم اور بے وفائی قرار دے کر جوناس کو دی جانے والی مالی مدد کو روک لیا، جس پر جوناس کی پوزیشن کمزور ہوگئی اور وہ بھوک ننگی حالت میں ایم ڈی ایل ایف کے ہاتھوں مارا گیا۔جوناس مرتے دم تک امریکی مدد کا انتظار کرتا رہا۔

1936ء میں پیدا ہونے والے پانامہ کے جنرل نوریگا1950ء سے1980ء تک سی آئی اے کے لیے کام کرتے رہے۔نوریگا1983ء سے1989ء یعنی 6 سال125 دن پانامہ کے حکمران رہے۔انہوں نے اپنی زندگی کے پچیس سال امریکا کی خدمت میں گزارے تھے۔لیکن اس کے باوجود امریکا نے پانامہ پر فوج کشی کی اور جنرل نوریگا کو جنگی قیدی بنا کر امریکا لے گئے۔1992ء میں ان پر منشیات کے کاروبار اور منی لانڈرنگ کا چارج لگا کر فلوریڈا میامی کی ڈسٹرکٹ کورٹ سے40 سال کی سزا کا تحفہ بشکل نذرانہ دوستی دیا۔ اور صرف اتنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ 1989ء میں پانامہ پر معاشی پابندیاں بھی عائد کردیں۔ یہ تھا نوریگا کی پچیس سالہ رفاقت کا اجر جو امریکا نے انہیں دیا۔

1979ء میں رہوڈیشاء زمبابوے کے بشپ ایبل منرو ربوا نے بھی امریکا سے اچھائی کی امید رکھتے ہوئے امریکی دشمنوں سے موغابے اور نکومو کے خلاف ایک منظم جدوجہد کی اور امریکی ایجنڈے کو پایۂ تکمیل پہنچاتے پہنچاتے خود قصہ کہانی بن کر نشان عبرت جا بنے اور اس دنیا سے چل بسے۔

صدام حسین ایک طویل عرصہ تک عراق کے صدر رہے۔ان کی سی آئی اے کے ساتھ ورکنگ ریلیشن دنیا کے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ صدام حسین نے امریکا کی ایما پر ایک رات میں لاکھوں مسلمان ہم وطنوں کو قتل کیا اور کویت کے خلاف جارحیت کی۔ ایران کو طویل عرصہ خود سے متصادم رکھا۔ لیکن وہ پس پردہ امریکی پالیسی کو نہ بھانپ سکے۔ امریکی پالیسی دراصل شروع ہی سے مسلمان ممالک بارے متعصب رہی ہے۔ امریکا نے مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے مسلمان ممالک کو ایسی جنگوں میں الجھائے رکھا، تا کہ مسلمان ممالک جنگی اخراجات میں اتنا الجھ جائیں کہ معاشی اعتبار سے کھڑا نہ ہوسکیں اور نہ ہی ایٹمی صلاحیت حاصل کر کے اپنا دفاع مضبوط کرسکیں۔ صدام حسین کا انجام پوری دنیا نے ابھی تازہ تازہ ہی دیکھا ہے کہ کس طرح جام وفاداری نوش کرنے والے صدام کو موت کی کڑوی گولی بطور انعام چبانا پڑی۔ عراق کے ساتھ امریکی دوستی امریکا کے جنگی حملہ کی صورت میں عیاں ہوئی۔ امریکہ نے صدام کی حماقتوں کے سبب عراق پر جراثیمی ہتھیاروں کا الزام لگا کر سارے ملک کو نیست و نابود کر دیا اور صدام کو قید کر کے پھانسی دے دی۔

''چلی'' کے ارکسٹو پنوشے نے 17 سال امریکا کی خدمت کی اور وفاداری کی انتہا یہ تھی کہ اس نے امریکا کے کہنے پر حاصل کیا ہوا اقتدار تک چھوڑ دیا اور لندن جا کر پناہ لے لی۔ لیکن بعد میں اُسی امریکا کے اشارے پر اسے لندن میں قید کر کے نظر بند کر دیا گیا۔

پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کو تاریخ کا علم نہیں ہے یا اگر علم ہے تو اس کا ادراک نہیں کہ امریکا کے ساتھ دوستی بنائے رکھنا زیادہ خطرناک ہے نسبتاً اس کے کہ امریکا سے دوری رکھی جائے۔ امریکا ایک عرصہ سے پاکستان کے رہے سہے اسلامی قوانین کو بدل کر سیکولر جمہوری نظام متعارف کروانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ رچرڈ باؤچر بھارت میں بیٹھ کر پاکستان پر الزام تراشی کرتا ہے، پاکستان کے خلاف بیانات دیتا ہے، پاکستان کے سب سے قیمتی اثاثے یعنی فوج اور فوج کے اہم ترین ادارے آئی ایس آئی پر الزامات کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ امریکی تھنک ٹینک پاکستان کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔امریکا کی نظر ڈاکٹر قدیر خان، جنوبی وزیرستان اور گوادر پر لگی ہے اور ہم اسے اہمیت ہی نہیں دے رہے، بلکہ امریکیوں کو راضی رکھنے کے لیے حیلے بہانے تراش رہے ہیں۔ ہمارے حکمران نہ جانے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ امریکا نے غیر نیوکلیائی عراق اور افغانستان کو نہیں بخشا تو وہ ایٹمی طاقت پاکستان کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ بلوچستان میں لگی ہوئی آگ بھارت، اسرائیل اور امریکا کا مشترکہ مشن ہے۔ افغانستان میں امریکا کی موجودگی اور افغانستان میں بڑھتے ہوئے بھارتی مراسم دیکھ کر بھی امریکا سے دوستانہ رویے کی امید ایک حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ حکمران خیانت کر رہے ہیں۔ علماء بے بس اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ میڈیا آوارہ حرکات کو مہذب دکھا رہا ہے۔ دہشت گردوں کو کھلی چھٹی ہے۔ ناپاک اور ہیبت ترین لوگ جمہوری ایلیٹ بنے بیٹھے ہیں۔ ایم کیو ایم اور اے این پی کو سی آئی اے اور امریکا مل کر ہمارے ملک میں پروموٹ کر رہے ہیں۔ موجودہ صورتحال میں پاکستان کو امریکا کی جنونی کیفیت کو فراموش نہ کرتے ہوئے تاریخ میں پیش آئے واقعات کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے اور آج سے پہلے کے امریکی دوست ممالک سے سبق حاصل کرتے ہوئے پالیسی مرتب کرنا ہے۔ پچھلے پچاس سالوں میں دنیا پر مختلف اوقات میں100 سے زائد جنگی حملے کرنے والے بدمست ہاتھی کے جنگی جنون کا علاج ڈھونڈنا ضروری ہے۔ چین، کوریا، گوئٹے مالا، انڈونیشیا، کیوبا، کانگو، پیرو، لاؤس، ویت نام، کمبوڈیا، لیبیا، ایل سلوا ڈور، نکاراگوا، پانامہ، سوڈان، پرٹوریکو، یوگوسلاویہ، یوراگوئے، البانیہ، زائر، ہیٹی، بوسنیا، صومالیہ، لائبیریا، بولیوا، افغانستان اور عراق امریکا کے جنگی جنون کا نظارہ دیکھ چکے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ''دن'')

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی کی ماہانہ شب بیداری

تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی کے زیر اہتمام 24 اور 25 ستمبر کی درمیانی شب الہدیٰ لائبریری (محلہ اسلام آباد) میں ماہانہ شب بیداری کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب تلاوت قرآن پاک سے ہوا، جس کی سعادت عفان شعیب نے حاصل کی۔ بعدازاں علی شاہد نے گلہائے عقیدت بحضور سرور کائنات ﷺ پیش کیے۔ تلاوت و نعت کے بعد عبدالقدیر بٹ نے حقیقت نفاق کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے آیت قرآنی (آل عمران:72) کے حوالے سے کہا کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ نفاق کے تدریجی سفر کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ منافق سب سے پہلے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے۔ جب جھوٹ سے کام نہیں نکلتا تو پھر جھوٹی قسمیں کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب اس کی قسموں پر سے بھی لوگوں کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے تو پھر وہ سچے مومنوں سے دشمنی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ حدیث مبارکہ کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے، وعدے کرے تو اُس کے خلاف کرے، امانت رکھی جائے تو اُس میں خیانت کرے، اور جب جھگڑا ہو تو بے قابو ہو جائے اور گالم گلوچ پر اتر آئے۔ بعدازاں مسجد الفلاح میں نماز عشاء ادا کی گئی۔ نماز کے بعد عدنان احمد مغل نے سیرت صحابہؓ پر مختصر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم فی الواقع دنیا اور آخرت میں بھلائی کے طالب ہیں تو اس کے لیے ہمیں تین چیزیں اختیار کرنی ہوں گی: نظریہ توحید سے وابستگی اور پختگی، اپنی تمام تر کوششوں میں اخلاص، اور جان و مال کا انفاق۔ اس ضمن میں انہوں نے صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں سے چند مثالیں بھی پیش کیں۔

اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا۔ کھانے کے بعد پروگرام میں شریک تمام رفقاء نے ''ایک رفیق، ایک حدیث'' کے سلسلہ میں ایک ایک حدیث بیان کی۔ بعدازاں اکرام الحق نے اطاعت امیر کے ضمن میں تنازع فی الامر پر مختصر گفتگو کی اور رفقاء کو تلقین کی کہ ہمیں شعوری طور پر اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سینئر رفیق جناب عبدالغفور نے قرار داد تاسیس کو موضوع گفتگو بنایا۔ انہوں نے کہا کہ قرارداد تاسیس تنظیم اسلامی کی بنیادی دستاویز ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اس کا مطالعہ کریں، تاکہ یہ بات ذہنوں میں مستحضر رہے کہ تنظیم کے قیام کا مقصد کیا تھا اور ذاتی طور پر ہمارا مقصد حیات کیا ہے۔

آخری پروگرام مذاکرہ کی شکل میں تھا، جسے حافظ نعیم صفدر بھٹہ نے کنڈکٹ کیا۔ اس شب بیداری کا موضوع نفاق تھا، بنابریں مذاکرہ میں بھی اس پر توجہ مرکوز کی گئی۔ مذاکرہ میں ''حُبِ جاہ'' پر بات ہوئی اور بتایا گیا کہ یہ روگ انسان کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ حب جاہ اصل میں بندگی کی روح کے خلاف ہے۔ اللہ کی بندگی تو یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ کی مرضی کے تابع ہو اور اس پر راضی ہو، لیکن حُبّ جاہ کا شکار شخص تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی بڑائی چاہتا ہے، اور پھر اس کے حصول کے لیے ناجائز حربے اختیار کرتا ہے۔

(رپورٹ: تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی)

امیر حلقہ جنوبی پنجاب کا دورۂ خانیوال

امیر حلقہ جنوبی پنجاب محمد طاہر خاکوانی 25 ستمبر 2011 کو معتمد حلقہ (راقم الحروف) کے ہمراہ تنظیمی دورہ پر خانیوال تشریف لے گئے۔ خانیوال میں نقیب اسرہ محمود احمد بھٹی اور ان کے معاون محمد انور نے امیر حلقہ سے رفقاء کی ملاقات اور ایک مسجد میں درس قرآن کا پروگرام طے کر رکھا تھا۔ ساڑھے چار بجے تمام رفقاء محمد انور صاحب کی رہائش گاہ پر جمع ہوئے۔ امیر حلقہ نے ان سے تعارف حاصل کیا۔ یہ سلسلہ نماز مغرب تک جاری رہا۔ جس کے بعد جامع مسجد لوکوشیڈ (ریلوے اسٹیشن) میں نماز مغرب ادا کی گئی۔ بعدازاں محفل درس ہوئی، جس میں مسجد ہذا کے مہتمم و خطیب مولانا محمد عباس اختر نے بھی شرکت کی۔ امیر حلقہ کے خطاب سے قبل مولانا محمد عباس اختر نے حاضرین سے مختصر گفتگو کی، جس میں انہوں نے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے اپنی یادوں کا تذکرہ کیا۔ مولانا موصوف بھی قیام پاکستان کے وقت ضلع حصار (انڈیا) سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور ساہیوال میں قیام پذیر ہوئے۔ ساہیوال میں قیام کے دوران گاہے بگاہے وہ بانی محترمؒ کے کلینک پر بھی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ مولانا محمد عباس اختر نے بانی محترم کی دینی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا، اور ان کی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی۔ امیر حلقہ نے سورۃ العصر کی روشنی میں راہ نجات پر مفصل درس دیا اور لوازم نجات کی وضاحت کی۔ درس کے بعد کچھ وقت مولانا سے باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد نماز عشاء محمد انور کی رہائش گاہ پر شرکاء کے لیے کھانے کا اہتمام کیا گیا، جس کے بعد رات 9 بجے امیر حلقہ ملتان روانہ ہوئے۔ (مرتب: شوکت حسین انصاری)

بقیہ: حقانی نیٹ ورک کا شوشہ

جانی چاہیے، لیکن امریکی دھمکیوں سے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امریکہ کسی بھی طور ہم پر حملہ کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہاں وہ بڑھکیں مارے گا۔ اگر اُس نے حملہ کی جسارت کی تو یہ منتشر قوم اپنی فوجی قیادت کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہو جائے گی۔ پھر یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ وہ جارح امریکہ جو ہماری ہر قسم کی حمایت لاجسٹک اور ہوائی اڈوں کی حوالگی کے باوجود تہی دست طالبان افغانستان کو زیر نہ کر سکا، وہ پاکستان کی مسلح افواج، مجاہد قبائل اور عوام کے سامنے بھی نہ ٹھہر سکے گا، ان شاء اللہ۔ ہو سکتا ہے کہ امریکہ یہ آخری حربہ بھی آزمالے، مگر پھر اُسے یہاں سے بھی بے نیل و مرام نکلنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

ہم نے امریکی مہم جوئی کا بہت مزہ چکھا۔ ہم نے پرائی جنگ کو اپنا کر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اس خطے میں یہ تمام دہشت گردی اور تشدد امریکہ ہی کی مداخلت سے پروان چڑھا ہے۔ اسی کی وجہ سے ہماری مسلح افواج سرحدوں کی نگرانی کے خاطر پھیلائی گئی ہیں۔ وہ مجبوراً thin out ہو گئی ہیں کہ اب ہماری تمام سرحدات غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔ اس پورے منظر نامے کی روشنی میں جو سوال سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں وہ کچھ یوں ہیں۔

1۔ اگر ہماری قیادت امریکی دباؤ کے تحت وزیرستان میں آپریشن کرے تو کیا اس کے نتیجے میں امریکہ کی "Do more" ختم ہو جائے گی؟

2۔ بالفرض حقانی ''نیٹ ورک'' کو جو امریکہ کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے، کسی طریقہ سے مکمل طور پر ختم کر دیا جائے تو کیا امریکہ جنگ جیت کر فتح کے پھریرے لہرائے گا؟ یاد رہے کہ حقانی جنگجو طالبانِ افغانستان ہی کا حصہ ہیں۔ وہ افغانستان ہی کی سرزمین پر موجود حملہ آور فوجوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ ان کی اتنی بڑی تعداد میں شمالی وزیرستان میں موجودگی ناقابل فہم ہے۔

3۔ کیا امریکہ اس کا متحمل ہو سکتا ہے کہ وہ یکطرفہ طور پر پاکستان کو خطرات سے دوچار کیے جانے کے امکان کے باوجود اپنے اس دیرینہ اتحادی کے خلاف وہ سب کچھ کر گزرے گا، جس کے اظہار کے لیے اس نے ایک بھرپور مہم شروع کر رکھی ہے؟

☆☆☆

men working in makeshift offices with untrained and unprofessional staff to create a paper organization; mid-range officials who could not even draft a one-page summary sitting in decision-making positions. High officials on huge salaries who spent all their time in meetings in which nothing happened but high talk; wonderful sounding resolutions leading to no action, because there was simply no institutional structure to carry out the empty decisions. An utterly vacuous organization, which had no capacity to do anything real.

In time, the OIC made itself superfluous, though it still exists on paper. In its stead, there emerged violent groups who were not conscious of their self-defeating strategy but who decided to take up arms against whomever they felt was not doing what they thought should be done. This violence achieved two extraordinary things: it buried the emerging hope of a change based on ideals of Islam and it brought the Western forces back into the Muslim world.

It achieved the first by hijacking Islam and making it a violent ideology, which in turn, allowed the huge military apparatus of the state, supported by the Western powers, to crush the nascent Islamic awakening. It achieved the second by proxy as no Muslim state could have withstood the violent attack of a determined group, they rushed to buy arms and security from the Western powers, which were only too keen to reinvade the Muslim world. The amount of money now being spent on buying arms by some of the Muslim countries is merely a footnote in this sad tale.

As things stand now, there is simply no hope in the near future. The destruction of so many realms of Islamic life and ideals has led the entire Muslim world on a suicidal path: the transformation of Makkah and Madina into Las Vegas-like cities is only an outward spiritual indicator of the rot that has seeped into the Muslim world.

As these two holiest cities of Islam are a mirror of the spiritual state of the Ummah now in full grip of iron clutches of an arms mafia on the one hand and Hajj and Umrah Inc. on the other; both being multi-billion dollar industries supporting three distinct and inter-related edifices of the modern world:

I. the utterly despicable life-styles of thousands of princes and petty mullahs, who have sold their religion for dirhams and dinars;

ii. The Chinese economy through a multi-million dollar sale of made-in-China goods ranging from cheap plastic rosaries to equally cheap zam-zam containers;

iii. An arms industry situated in secret locations throughout China, Europe and America selling weapons of mass destruction to despotic rulers.

(Concluded; Courtesy: "The News")

خلافت فورم

☆ ہنگامی طور پر آل پارٹیز کانفرنس کیوں بلانا پڑی اور کس حد تک اس سے مقاصد حاصل کیے جاسکے؟

☆ باہم دست وگریباں پارٹیوں کا ایک ایشو پر متفق ہوجانا معجزہ ہے یا نادیدہ قوتوں نے ہاتھ دکھایا ہے؟

☆ APC سے اگلے دن ڈرون حملے میں ہلاکتوں پر پاکستان کا کوئی ردِّعمل نہیں آیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

☆ ''امن کو موقع دو'' APC اعلامیہ کا خوبصورت عنوان ہے، لیکن امن کس کے ساتھ قبائلیوں، طالبان یا امریکیوں کے ساتھ؟

☆ کیا ISI افغانستان میں واقعی اتنی مؤثر ہے کہ ایک ماہ میں امن قائم کرسکتی ہے؟

☆ ''دال میں کچھ تو کالا ہے'' کہہ کر نواز شریف نے کس کو ہدفِ تنقید بنایا؟

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

تجزیہ کار: ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر واشاعت تنظیم اسلامی)
میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء وتجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش شعبہ سمع وبصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

Dr Muzaffar Iqbal

THE ROOTS OF MUSLIM RAGE - II

On September 27, 2011, the US State Department announced that Iraq has made the first payment of a three billion dollar purchase of 18 F-16 warplanes, which are a "symbol of the commitment that we've made to the Iraqi government to have a long-term strategic partnership between the United States and Iraq," Victoria Nuland, a State Department spokeswoman, said. Ali Mussawi, a media advisor to Iraqi Prime Minister Nuri al-Maliki, confirmed the deal, without giving further details about the delivery date. Ali al-Dabbagh, a spokesman for the Iraqi government, proudly disclosed that $1.4 billion has already been transferred as a partial payment. This comes at a time when thousands of Iraqi children are dying because of lack of adequate health facilities in the country; the country has several hundred thousand displaced people and there is no social rehabilitation plan that can effectively restore the broken structure of the society following invasion and occupation.

Yet, the new government of the "liberated Iraq" has gone on a weapon-buying spree, just like the Saudis, to whom the Obama administration was able to convince last year that they need to enter into a $60 billion defence deal, the largest US arms deal ever. The Gulf Emirates are not too far behind in their extravagance on arms and pomp.

These misplaced priorities are merely the tip of the iceberg, underneath the apparent gold rush of the few "rich" Muslim countries; there is rot of unimaginable proportions: a populace living on state handouts in a vast intellectual and spiritual wasteland, with thousands of foreign workers doing all the dirty work. These are men who are literally slaves of those who have "hired" them for monthly wages, which are equal to what they spend on their afternoon snacks. There is an underworld of essay writers for Saudis graduating from universities, most of which have been set up on the fly during the last decade. There is no planning whatsoever, because institutions for planning do not exist.

Those Muslim countries where oil money is non-existent --- and the majority of the 57 Muslim states fall into this category --- the realities of daily life are so stark, that as soon as one starts to look at them, one is left with a sense of utter doom. As if this were not enough, there is violence, corruption of un-imaginable kind, poverty, dishonesty, insecurity and despotic rulers. All of this is now enmeshed with a sense of despair that erodes any hope of a turnaround.

This state has emerged rapidly on the ruins of a hope that one billion Muslims cherished during the decade of the 1970s when, following the 1967 Arab-Israeli War, their self-appointed leaders met in Rabat and established the Organization of Islamic Conference. That was on September 25, 1969. The leading figures behind the emergence of this dramatic movement were either Zionists agents who had been hand in glove with powers that be, or sincere but gullible men coned into a big joke at the expense of one billion believers. The OIC, as it turns out, has been the greatest scandal in the political history of the Ummah.

The OIC, better known as "O, I see", was established to ensure that newly emerging political activism, social awakening, and above all, the life-energies of a whole generation of Muslims were completely defused.

This is not mere speculation. During the decade of the 1990s, I had the opportunity to closely observe the working of the OIC and what I saw was extremely frightening: old, mostly retired